

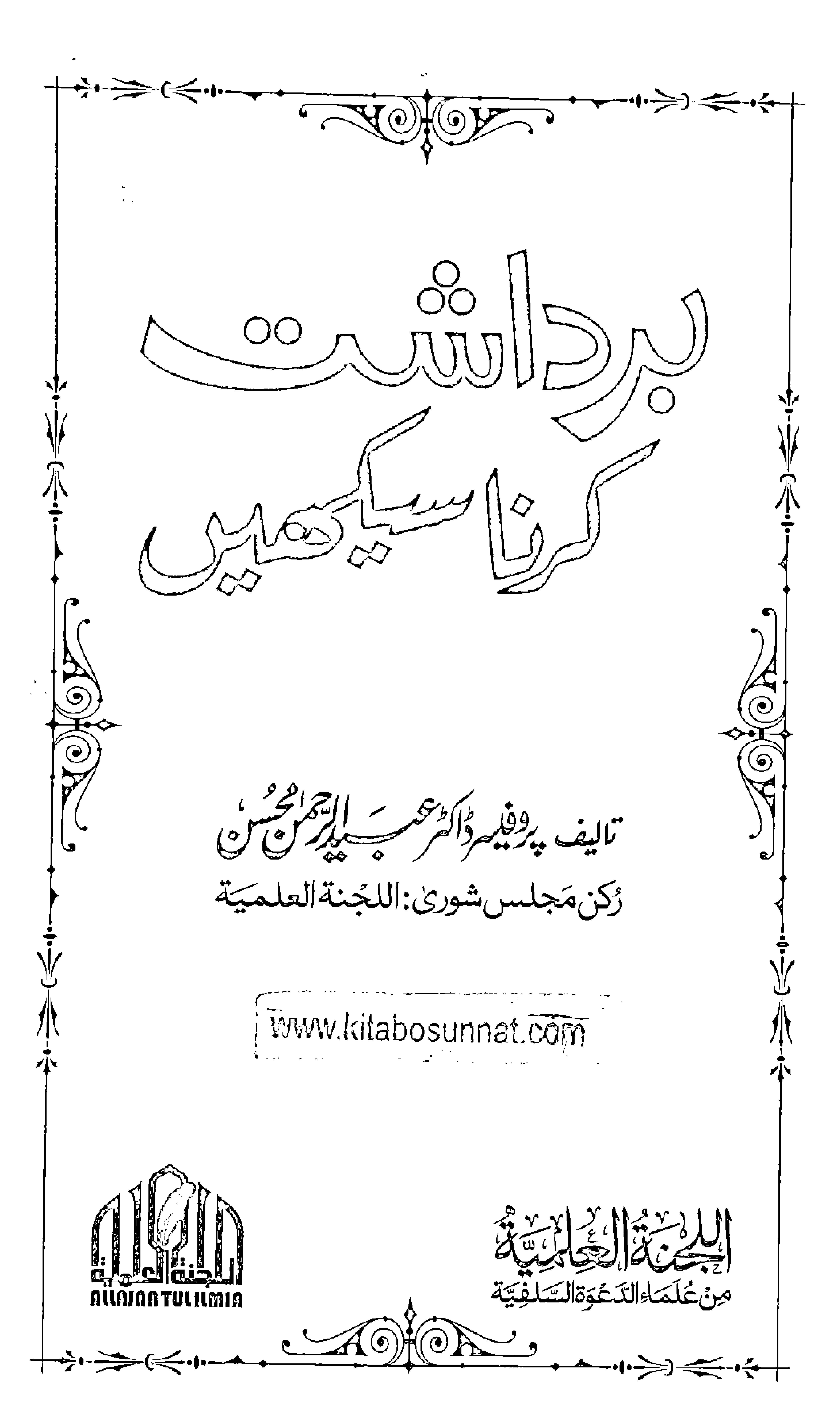
تالیف پروفیسر ڈاکٹر عبید الرحمن محسن

رُکن مجلس شوریٰ: اللجنة العلمية



اللجنة العلمية

من علماء الدعوة السلفية

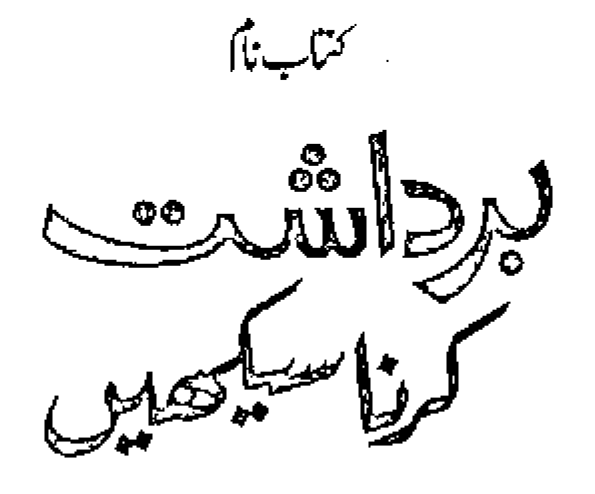


برداشت کرنا سیکھیں

تالیف پروفیسر ڈاکٹر عبید الرحمٰن محسن
رُکن مجلس شوریٰ: اللجنة العلمیة

ALLAJNATULILMIA
اللجنة العلمیة
من علماء الدعوة السلفیة

کتاب نام



تالیف

تالیف پروفیسر ڈاکٹر عبد الرحمن المحسن
رکن مجلس شوریٰ: اللجنة العلمية

اشاعت .... نومبر 2018ء



اللجنة العلمية من علماء الدعوة السلفية
0310/0303-6604440 /Allajna.tul.ILmia
efatwapakistan.com efatwapakistan@gmail.com



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فہرست مضامین

۳: ہمارے پاکستانی معاشرے میں برداشت کے اہم مواقع

۴: فقہی اختلاف میں تحمل اور برداشت

٦: برداشت میں اعتدال

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على أشرف الأنبياء والمرسلين، وبعد:

تحمل اور رواداری پرامن معاشروں کی عمارت کی بنیادی اینٹ ہے، جس معاشرے سے تحمل اور رواداری اٹھ جائے وہ انسانی معاشرے کم اور جنگلی معاشرے کا نقشہ زیادہ پیش کرتا ہے۔

میانہ روی، رواداری، تحمل مزاجی، ایک دوسرے کو برداشت کرنا، معاف کر دینا اور انصاف کرنا یہ وہ خوبیاں ہیں جن کی وجہ سے معاشرے میں امن وسکون کا دور دورہ ہوتا ہے۔ جن معاشروں میں ان خوبیوں کی کمی ہوتی ہے وہاں بے چینی، شدت پسندی، جارحانہ پن، غصہ، تشدد، لاقانونیت اور بہت سی دیگر برائیاں جڑ پکڑ لیتی ہیں اور ہر فرد دوسرے کو برداشت کرنے کی بجائے کھانے کو دوڑتا ہے۔

لمحۂ فکریہ یہ ہے کہ عدم برداشت، تشدد، نفرت، تعصب، ظلم وعدوان پر مبنی رویے ایک ایسے معاشرے میں پائے جا رہے ہیں، جو مسلم معاشرہ ہے جس کا تعلق ایک ایسے دین سے ہے جو جانوروں پر بھی رحم کا درس دیتا ہے۔

یقیناً اس کے پیچھے بہت سارے عوامل کارفرما ہیں، ہمیں معاشی بحران، بڑھتی ہوئی مہنگائی، بے روزگاری، بیماریاں، گھریلو مسائل، حکومتی بے توجہی اور اس کے علاوہ دیگر کئی مسائل ہیں جن کی بنا پر برداشت کم ہوتی جا رہی ہے، چڑچڑاپن، غصہ اور بات بات پر بگڑنا ہمارے مزاج کا حصہ بنتا جا رہا ہے۔

لیکن کیا یہ مسائل عدم برداشت کے رویوں کو جواز بخشتے ہیں؟ نہیں کبھی نہیں، قطعاً نہیں!

وہ مرد نہیں جو ڈر جائے حالات کے خونی منظر سے
جس دور میں جینا مشکل ہو اس دور میں جینا لازم ہے

بالخصوص مذہبی طبقہ جن سے برداشت کی توقع تھی۔ وہ بھی بعض ملکی و عالمی حالات کی بنا پر تحمل و بردباری سے عاری ہو چکا ہے۔

یہ تسلیم کیے بغیر چارہ نہیں کہ جہاں اس رویے کے بیرونی اسباب ہیں، وہاں ایک اہم ترین سبب تربیت کا فقدان ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت طیبہ کے ان مبارک پہلوؤں سے چشم پوشی اور اعراض کی حد تک تغافل بھی ایک اہم وجہ ہے۔

جدید دور کا الیکٹرانک میڈیا، باتونی اینکر پرسنز، ٹی وی چینلز اور بے ہنگم سوشل میڈیا نے ایسے رویوں کی تشہیر کر کے ان کی ترویج میں ایک گھناؤنا کردار ادا کیا ہے، ہمارے بعض تنگ نظر، متعصب مفاد پرست سیاستدان اور جامد قسم کے روایتی علمائے سوء نے بھی جلتی پر تیل کا کام کیا ہے۔

اب وقت ہے کہ ہم ایک دوسرے کو کوسنے کی بجائے بس اپنے حصے کی شمع جلائیں، اس ادنیٰ اور معمولی سی کاوش میں یہی جذبہ کارفرما ہے۔

اس تالیف کو میں نے درج ذیل ترتیب سے مزین کیا ہے:

1) اولاً: برداشت کا معنیٰ و مفہوم واضح کیا ہے۔

2) ثانیاً: قرآن وسنت کی روشنی میں برداشت کی اہمیت واضح کی ہے۔

3) ثالثاً: رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت طیبہ سے حلم و برداشت کے چند مواقع اور واقعات قلمبند کیے ہیں۔

4) رابعاً: ہمارے پاکستانی معاشرے میں بالخصوص جہاں برداشت کی زیادہ کمی محسوس ہوتی ہے، ان مواقع کی نشاندہی کی ہے۔

5) خامساً: ہمارے یہاں کے بعض ناعاقبت اندیش لوگوں نے بین المسالک، بلکہ ایک ہی

مسلک کے وابستگان کے درمیان فقہی اختلافات کی آڑ میں جو تشدد کی آگ بھڑکائی ہے، اسے بجھانے کی کوشش کی ہے۔ اس ضمن میں سلف صالحین اور امت کی روشن تاریخ سے تابناک واقعات کا سہارا لیا ہے، تاکہ معلوم ہو کہ ہمارے اسلاف، صحابہ رضی اللہ عنہم، تابعین رحمہم اللہ اور ائمہ عظام رحمہم اللہ فقہی اختلافات کے باوجود باہمی احترام، اخوت اور تحمل و برداشت جیسے حسین رویوں پر کس طرح کاربند تھے۔

5) برداشت کیسے پیدا ہوسکتی ہے؟ اس حوالے سے چند گزارشات قلمبند کی ہیں۔ اور سب سے آخر میں برداشت کی ایک دوسری انتہا بے حمیتی، اور مداہنت پر بھی خامہ فرسائی کی ہے؛ تاکہ برداشت کی آڑ میں بے دینی اور بے حسی کو فروغ نہ دیا جاسکے۔

یقیناً اسلامی مصادر میں اس پر بہت سا مواد موجود ہے۔ اور مزید بہت کچھ لکھا جاسکتا تھا، لیکن اپنے مشاغل، دیگر تدریسی ودعوتی مصروفیات اور قارئین کی ضرورت کو دیکھتے ہوئے میں نے زیادہ سے زیادہ اختصار سے کام لیا ہے۔ اس حوالے سے ایک تشنگی تو محسوس ہوگی لیکن ناگزیر تقاضوں کی بنا پر ایسا کرنا مجبوری تھی۔ اس تالیف میں کچھ مواد ایسا ہے جسے آڈیو سے تحریر قالب میں ڈھالا گیا ہے، اس لیے متعدد مقامات پر قارئین تحریر وتقریر میں جو ایک قدرتی فرق ہوتا ہے، محسوس کریں گے۔

رب العالمین کا بے انتہا شکر جس نے یہ توفیق مرحمت فرمائی، اللہ تعالیٰ اسے قبولیت سے نوازے۔

اپنے عزیز القدر فاضل شاگرد، ابھرتے ہوئے محقق جناب حافظ الشیخ عثمان مرجالوی صاحب کا شکر گزار ہوں جن کی مسلسل تحریک پر یہ تالیف منظر عام پر آرہی ہے۔ اور کتاب کا حالیہ ایڈیشن ان کے واٹس ایپ گروپ کے ممبر زعلماء کے درمیان تقسیم کے لیے شائع کیا جارہا ہے۔

اپنے فاضل تلمیذ عدیل احمد راجووالوی کا بھی ممنون ہوں، فضیلۃ الشیخ اقبال قصوری صاحب نے بڑی محنت سے پروف ریڈنگ کی، جناب حافظ محمد عابد صاحب نے دن رات ایک کر کے

کمپوزنگ کی، ان حضرات کا بھی تہہ دل سے شکریہ۔

ناسپاسی ہوگی اگر میں فضیلۃ الشیخ عدنان صاحب کا شکریہ ادا نہ کروں جو دارالحدیث الجامعۃ الکمالیۃ راجووال کی انتظامی ذمہ داریاں احسن انداز سے سنبھال کر مجھے کچھ نہ کچھ تحقیقی کام کا موقع فراہم کرتے ہیں۔

والدہ ماجدہ، اہلیہ محترمہ کے لیے خلوص بھرے کلمات تشکر و امتنان، ان تمام معاونین اور دوست، احباب کے لیے بھی جو اس بندۂ فقیر کو قدم قدم پر یاد رکھتے ہیں اور خیر کے ہر کام میں ساتھ دیتے ہیں۔

والدمکرم، شیخ الحدیث مولانا محمد یوسف رحمہ اللہ کی آہ سحر گاہی اور اساتذۂ کرام کی تعلیم و تربیت جو میرے علمی سفر کی بنیاد ہے۔ اللہ تعالیٰ ان سب حضرات اور میرے لیے اس کتاب کو صدقہ جاریہ بنائے۔ آمین یارب العالمین۔

فجزاهم الله جميعًا خيرًا وبارك فيهم، وتقبل منا ومنهم،

وصلى الله على النبي وسلم

كتبه الفقير الى الله

عبیدالرحمٰن محسن

مہتمم دارالحدیث راجووال

10/11/2018

برداشت کرنا سیکھیں

إنّ الحمد لله نحمده و نستعينه و نستغفره و نعوذ بالله من شرور أنفسنا و من سيئات أعمالنا من يهده الله فلا مضل له و من يضلل فلا هادي له و أشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريك له و أشهد أن محمدا عبده و رسوله. {يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تُقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ}. [1] {يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالاً كَثِيراً وَنِسَاءً وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيباً} [2] {يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَقُولُوا قَوْلاً سَدِيداً. يُصْلِحْ لَكُمْ أَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَمَنْ يُطِعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزاً عَظِيماً} [3] [4] أما بعد: فإنّ خير الحديث كتاب الله و خير الهدي هدي محمد- صلى الله عليه و سلم- و شرّ الأمور محدثاتها و كلّ محدثة بدعة و كلّ بدعة ضللة و كل ضللة في النار۔ [5]

أعوذ بالله من الشيطن الرجيم

بسم الله الرحمٰن الرحيم

وَالْعَصْرِ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ [6]

---

[1] آل عمران:۱۰۲

[2] النساء:۱

[3] الأحزاب:۷۱

[4] سنن أبي داود:۲۱۱۸، صحیح

[5] صحیح ابن حبان:۱۰

[6] سورۃ العصر

وَالْكَاظِمِينَ الْغَيْظَ وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ۔ [۱]

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ۔ [۲]

انسانوں میں بالعموم اور ہمارے معاشرے میں بالخصوص برداشت ختم ہوتی جارہی ہے، ٹولرینس (Tolerance) زیرو لیول پہ آتی جارہی ہے، خاندان کی سطح پر--- افراد کی سطح پر--- شہر کے لیول پر--- قومی اور بین الاقوامی سطح پر --- کوئی انسان دوسرے کو برداشت کرتا ہوا پوری طرح دکھائی نہیں دیتا۔

آیئے! اس کتاب میں اللہ تعالیٰ کی توفیق اور اس کے فضل وکرم سے ہم یہ دیکھیں گے کہ

۱: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ عظیم سنت: تحمل --- برداشت --- اَلْحِلْمُ کس قدر ضروری ہے؟ اس کی کیا اہمیت ہے؟

۲: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی زندگی میں کن کن لوگوں کو کیسے کیسے برداشت (Tolerate) کیا؟

۳: نیز بالخصوص ہمارے فقہی مسالک اور اختلافات میں برداشت کیسے پیدا ہوسکتی ہے؟ اس کے بنیادی اصول وضوابط پر بھی گفتگو ہوگی۔

۴: اور پھر میں ہم یہ دیکھیں گے کہ ہم اپنی زندگی کے اندر برداشت کیسے پیدا کر سکتے ہیں؟

۵: معاشرے میں برداشت کے اہم مواقع، جہاں عموماً تلخی بڑھتی ہے اور عدم برداشت کا مظاہرہ ہوتا ہے، ان مواقع پر حقیقی اسلامی تعلیما کیا ہیں۔

سب سے پہلے یہ دیکھتے ہیں کہ تحمل اور برداشت کا معنی کیا ہوتا ہے؟

---

[۱] سورۃ آل عمران:134

[۲] سورۃ الأنبیاء:107

1: تحمل اور برداشت کا معنی، مفہوم اور اہمیت

اسے عربی زبان میں ''اَلْحِلْمُ '' کہتے ہیں، اس کا لغوی معنی عقلمندی ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تحمل عقلمندی کی نشانی ہے۔ مختلف ائمہ کرام اور علماء عظام رحمہم اللہ نے اس کی مختلف تعریفات لکھی ہیں، ابن فارس نے اس کا معنی لکھا ہے ''ترك العجلة'' جلد بازی نہ کرنا، [1] امام عسکری نے لکھا ہے ''الحلم '' کا اصل معنی، نرمی برتنا ہے، [2] امام زمخشری نے اس کا مفہوم ''ٹھہراؤ اور عقل بیان کیا ہے، [3] احادیث کے عظیم شارح قاضی عیاض اس کی وضاحت یوں لکھتے ہیں: ''الحِلْم بالکسر بمعنی الصَّبرِ، لٰکِن فی الحِلم الصَّفحُ و أَمْنُ المؤاخذة '''' حِلم'' زیر کے ساتھ ہے، صبر کے ہم معنی، لیکن حلم اور صبر میں یہ فرق ہے، کہ حلم میں درگزر کرنا اور سزا نہ دینے کا اضافی تصور پایا جاتا ہے۔ [4] امام ابن الأثیر کے نزدیک معاملات میں ٹھہراؤ اور گہرائی کو ''حلم'' کہتے ہیں۔ [5]

جناب اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ''ھو أن یکون النَّفْسُ مطمئنة لا یُحرِکھا الغضبُ بسھُولة ولا تضطرب عند إصابةِ المکروہِ'' نفس کی ایسی کیفیت کہ وہ پرسکون ہو، جلدی طیش میں نہ آئے اور کسی ناپسندیدہ چیز کے پہنچنے سے بے چین نہ ہو۔ [6]

ان سب کو ملانے سے مجھ فقیر کی سمجھ میں یہ بات آئی ہے کہ ''الحِلْم '' یعنی تحمل اور

---

[1] مقاییس اللغة: 2/93

[2] الفروق اللغویة: 1/201

[3] أساس البلاغة: 1/210

[4] مشارق الأنوار: 1/196

[5] النھایة فی غریب الحدیث والأثر: 1/4342

[6] الکشاف فی معرفة اصطلاحات العلوم والفنون: 1/706

برداشت پانچ چیزوں کا مجموعہ ہے:[1]

i۔پہلی چیز : '' تَرْكُ الْعُجَلَةِ '' جلد بازی کو چھوڑ دینا۔

ii۔دوسری چیز :''اَلْأَنَاةُ '' ٹھہراؤ--- آہستہ روی--- سوچ--- غور وفکر--- تدبر--- بردباری۔ یعنی: غور وفکر کے بعد قدم اٹھانا، جلدی سے اقدام اور ری ایکشن (Re-action) نہ کرنا۔

iii۔تیسری چیز: ''ضَبْطُ النَّفْسِ وَالطَّبْعِ عِنْدَ هَيَجَانِ الْغَضَبِ''[2]

شدید غصے، جوش، اشتعال اور بے جا جذبات میں اپنے آپ کو کنٹرول کرنا۔

iv۔چوتھی چیز: ''تَرْكُ الِانْتِقَامِ عِنْدَ شِدَّةِ الْغَضَبِ مَعَ الْقُدْرَةِ عَلَى ذٰلِكَ'' طاقت کے باوجود انتقام نہ لینا۔

v۔پانچویں اور آخری چیز لیکن اہم ترین، کسی کی غلطی پر اسے فوراً سزا نہ دینا بلکہ درگزر سے کام لینا۔اور طاقت کے باوجود درگزر کرنا۔

کیونکہ بعض دفعہ ایک کمزور انسان جب اپنے سے زیادہ طاقتور باعزت کو برداشت کر رہا ہوتا ہے تو وہ برداشت نہیں ہوتی، وہ ٹولرینس (Tolerance) نہیں ہے: بوس (Boss) کے سامنے تو سارے ہی ''جی حضور!'' ہوتے ہیں، بڑے آدمی کے سامنے تو اکثر لوگ اس کی غلط باتیں بھی برداشت کر لیتے ہیں۔لیکن وہ برداشت طاقت نہ ہونے کی بنا پر ہے۔

اس لیے محققین ائمہ کے نزدیک حقیقی برداشت یہ ہے کہ آپ بڑے ہوں، بدلہ لے سکتے ہوں، انتقام کی آپ کے اندر پاور اور اتھارٹی بھی موجود ہو اور پھر بھی آپ کوئی سخت ردعمل نہ دکھائیں تو یہ برداشت ہے، یہ حلم ہے، یہ تحمل ہے، اَلْأَنَاةُ ہے۔''

اسے ہم اردو میں صبر، برداشت، تحمل، حوصلہ کہہ سکتے ہیں، انگریزی میں اسے

---

[1] تفصیل کے لیے سابق الذکر حوالہ جات ملاحظہ ہوں

[2] المفردات فی غریب القرآن، للراغب الأصفہانی: 1/253

Patience, cool کہہ سکتے ہیں۔

اگرچہ عربی زبان میں حلم، صبر اور اَناۃ میں، اس طرح اردو زبان میں اس کے مترادفات تحمل، حوصلہ، برداشت، ٹھہراؤ وغیرہ میں لغوی طور پر دقیق فرق پایا جاتا ہے، لیکن سہولت کے پیش نظر، معقدیت کو دیکھتے ہوئے مؤلف نے ان الفاظ میں فرق نہیں کیا اور ان سب کو ہم معنی استعمال کیا ہے۔

تاہم اگر کوئی کمزور اپنے سے طاقتور کو، کوئی ماتحت اپنے افسر کو اور کوئی چھوٹا بڑے کو برداشت کرتا ہے محض رضائے الٰہی اور ثواب کی نیت سے سخت ردعمل ظاہر نہیں کرتا تو یہ بھی حلم ہے۔ اور ایسا شخص ان شاء اللہ ثواب کا مستحق ہے۔

تحمل اور برداشت کی اہمیت آیات واحادیث کی روشنی میں

1) تحمل صفت باری تعالیٰ ہے

آپ پوری طرح تدبر کیجیے گا، آیات پر فوکس کیجیے گا، آپ کو قرآن مجید کی روشنی میں سمجھ آئے گی کہ برداشت کرنا، تحمل اور حلم ہمارے رب کریم کی کتنی بڑی صفت ہے۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت حلم کے ساتھ کچھ دیگر صفات کو یکجا کر کے بیان کیا ہے؛ ان میں سے اہم مقامات کی تفصیل ملاحظہ فرمائیں:

پہلا مقام: عَلِيمٌ حَلِيمٌ [1]

اللہ عَلِيمٌ حَلِيمٌ ہے۔

یوں تو اللہ کی ہر صفت کے اندر گہرائی ہوتی ہے۔ لیکن جب اللہ کی دو صفتیں، دو نام جمع ہو کے اکٹھے آتے ہیں، ایک نام کا اپنا معنیٰ جبکہ دوسرے نام کا اپنا معنیٰ، دونوں جب مل جاتے ہیں تو دونوں کے ملنے سے اس کے اندر ایک تیسرا معنیٰ پیدا ہو جاتا ہے:

عَلِيمٌ: جاننے والا ہے۔

حَلِيمٌ: بردبار ہے، برداشت کرنے والا ہے۔

کس لیے کہا: علیم ہے، حلیم ہے؟

بہت ممکن ہے آپ مجھے اس وجہ سے برداشت کر رہے ہوں کہ آپ میرے گناہوں سے واقف نہیں، میری تنہائیوں سے واقف نہیں، میری خلوتوں سے واقف نہیں۔

ممکن ہے آپ کسی انسان کو چالیس سال تک، پچاس سال تک برداشت کرتے رہیں کیوں کہ آپ اس کی کمزوریوں سے واقف نہیں۔

اے اللہ! تیرے کیا کہنے ہیں! تو سب کچھ جانتا بھی ہے اور ہمیں برداشت کرتا ہے، علیم

---

[1] النساء (۴/ ۱۲) الحج (۲۲/ ۵۹) الأحزاب (۳۳/ ۵۱)

ہے وہ۔۔۔ خلوتوں کو۔۔۔جلوتوں کو۔۔۔ تنہائیوں کو۔۔۔صبحوں کو۔۔۔ دوپہروں کو۔۔۔ شاموں کو۔۔۔ راتوں کو۔۔۔ بچپن کو۔۔۔ لڑکپن کو۔۔۔ جوانی کو۔۔۔ ایک ایک لمحے کو جانتا ہے۔

اللہ کہتا ہے: اے میرے بندو! میں علیم ہوں: سب کچھ جانتا ہوں پھر بھی حلیم ہوں اور سب کچھ برداشت کر رہا ہوں۔

دوسرا مقام: غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ [1]

غَفُوْرٌ: بہت بخشنے والا۔

حَلِيْمٌ: برداشت کرنے ولا۔

آپ نے ایک گناہ کیا، معافی مانگی رب نے معاف کردیا۔۔۔ آپ نے پھر کیا، پھر معافی مانگی رب نے پھر معاف کردیا۔۔۔ آپ نے پھر کیا پھر معافی مانگی اللہ تعالیٰ نے پھر معاف کردیا۔۔۔ آپ دسیوں مرتبہ گناہ کرتے جاتے ہیں، معافیاں مانگتے جاتے ہیں، رب معاف کرتا جاتا ہے، برداشت کرتا جاتا ہے۔

نوٹ: دومقامات پر "حَلِيْمًا غَفُوْرًا" آیا ہے، یعنی: "حَلِيْمًا" پہلے آیا ہے۔ [2]

تیسرا مقام: وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَلِيْمٌ [3]

غَنِيٌّ: بے نیاز۔۔۔ دولتمند۔۔۔ کسی کا محتاج نہیں۔

حَلِيْمٌ: بردبار ہے، برداشت کرنے والا ہے۔

کبھی ہم کسی کو اس وجہ سے برداشت کرتے ہیں کہ یار! کل اس سے کوئی کام پڑ جائے

---

[1] البقرة (۲/ ۲۲۵، ۲۳۵)، آلِ عمران (۳/ ۱۵۵)

[2] الإسراء (۱۷/ ۴۴)، فاطر (۳۵/ ۴۱)

[3] البقرة (۲/ ۲۶۳)

گا؛ اگر اب بگاڑ لی تو کام کیسے کرے گا؟

کیا عظیم ہے ہمارا رب! وہ اپنا تعارف کرواتا ہے: غَنِيٌّ حَلِيمٌ، دنیا کے کسی انسان سے مجھے کوئی غرض نہیں... تم سب میرے محتاج... میں تم سب کا داتا اور سب کو دینے والا... اور اس کے باوجود میں تمہاری غلطیوں کو برداشت کر رہا ہوں۔

چوتھا مقام: شَكُورٌ حَلِيمٌ [1]

شَكُورٌ: قدر کرنے والا۔

حَلِيمٌ: برداشت کرنے والا ہے۔

اس میں تو کمال بات کی ہے اللہ تعالیٰ نے!

بعض دفعہ ہم کسی بندے کو برداشت تو کرتے ہیں لیکن اس کی سابقہ خدمات سے صرف نظر کر جاتے ہیں یا اس کی سابقہ سروسز (Services) ہماری نگاہوں سے نیچے گر جاتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ کہتا ہے: اے میرے بندو!

میں شکور ہوں: تمہاری زندگی کی ایک ایک نیکی کی قدر کرتا ہوں۔

میں حلیم ہوں: اور قدر کرنے کے ساتھ ساتھ تمہارے گناہوں کو برداشت بھی کرتا ہوں۔

پانچواں مقام: اَلْحَلِيمُ الْعَظِيمُ [2]

اور آخری صفت تو کیا ہی خوب ہے! پہلی تراکیب قرآن مجید سے ماخوذ ہیں، اور یہ امتزاج حدیث مبارکہ میں ہے۔

ایک بڑی خوبصورت دعا ہے، اس کو ''دعاء الکرب'' کہتے ہیں،

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طریقہ رہا کہ جب بھی کوئی پریشانی ہوتی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ دعا پڑھتے اس کے

---

[1] التغابن (۶۴/ ۱۷)

[2] مسند البزار: ۴۸۱۲

کے خوبصورت الفاظ ملاحظہ فرمائیں:

لَا إِلٰه إِلَّا اللّٰهُ الْعَظِيْمُ الْحَلِيْمُ، لَا إِلٰه إِلَّا اللّٰه ربُّ السَّمَاوَاتِ وَالأَرْضِ، وَربُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْم [1]

اس دعا میں یہ لفظ آتے ہیں:

"لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ الْحَلِيْمُ الْعَظِيْمُ"

یا اللہ! تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تیری عظمتوں کی بھی کوئی انتہا نہیں اور تیری برداشت کی بھی کوئی انتہا نہیں۔

وہ عظیم ہو کر برداشت کرتا ہے... سب سے بڑا ہو کر برداشت کرتا ہے، تو یہ اللہ کی صفت ہے۔

بلکہ میں تو یوں کہتا ہوں کہ کائنات اگر قائم ہے... تو صفت "حلم" کی وجہ سے قائم ہے... میں اگر یہاں موجود ہوں اور آپ موجود ہیں تو ہمارا وجود یہ اللہ کی صفت "حلم" کی بدولت ہے اور آج اگر ہم انسانی شکل میں ہیں تو یہ اللہ کی صفت "حلم" ہے۔

امام ابن قیم الجوزیہ رحمہ اللہ کا یہ خوبصورت قول ہے:

آپ اس کو دل کی تختیوں پہ نوٹ کر لیں،

فرماتے ہیں: "علم، حلم، عفو اور قدرت" جس میں یہ چار چیزیں جمع ہو جائیں تو کائنات میں اس سے خوبصورت کوئی چیز کوئی انسان نہیں دیکھے گا۔

اللہ کے پاس علم بھی ہے اور حلم بھی، عفو بھی اور قدرت بھی۔

تو عالم کے لیے... ٹیچر کے لیے... مدرس کے لیے... لیکچرار کے لیے... پروفیسر کے لیے... ٹیوشن پڑھانے والے کے لیے... مربی اور مزکی کے لیے... جتنا علم ضروری ہے اسی

---

[1] صحیح بخاری، 6345، صحیح مسلم: 2730

قدر حلم بھی ضروری ہے؛ اسی لیے اللہ نے کہا: میں علیم بھی ہوں... حلیم بھی ہوں... عفو اور قدیر ہوں۔

اللہ رب العزت کی یہی صفات ہیں جن کی بدولت آج ہم چل پھر رہے ہیں۔

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

((وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللَّهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوا مَا تَرَكَ عَلَىٰ ظَهْرِهَا مِن دَابَّةٍ وَلَٰكِن يُؤَخِّرُهُمْ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى)) [1]

"اگر اللہ انسانوں کی کرتوتوں کی وجہ سے انسانوں کی پکڑ کرنا شروع کر دے تو انسان تو دور کی بات ہے، زمین کے اوپر کوئی کیڑا مکوڑا، کوئی جاندار بھی زندہ نہ بچ سکے" سب تباہ ہو جائیں۔

ایک حدیث سے واضح ہوتا ہے کہ اللہ کس قدر برداشت کرتا ہے:

(عَنْ أَبِي مُوسَى قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "لَا أَحَدَ أَصْبَرُ عَلَى أَذًى يَسْمَعُهُ مِنَ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ، إِنَّهُ يُشْرَكُ بِهِ وَيُجْعَلُ لَهُ وَلَدٌ وَهُوَ يُعَافِيهِمْ وَيَدْفَعُ عَنْهُمْ وَيَرْزُقُهُمْ) [2]

کائنات میں کوئی بھی رب سے زیادہ تکلیف کو برداشت کرنے والا نہیں ہے، انسان اللہ تعالیٰ کو بہت تکلیفیں دیتے ہیں، کیسے اس کے ساتھ شرک ہوتا ہے؟

(وَيُجْعَلُ لَهُ وَلَدٌ) لوگ کہتے ہیں: اس کی اولاد ہے،

(وَهُوَ يُعَافِيهِمْ) پھر بھی وہ ان کو عافیت سے رکھتا ہے، (وَيَدْفَعُ عنهم) ان کی تکلیفیں دور فرماتا ہے، (وَيَرْزُقُهُمْ) اور ان کو رزق دیتا رہتا ہے۔

چونکہ اللہ سب سے زیادہ حلم ... بردباری اور برداشت والا ہے۔ اس لیے اللہ اپنے

---

[1] سورۃ فاطر: ۴۵

[2] مسند احمد: ۱۹۶۳۳

بندوں کے اندر بھی یہ صفت دیکھنا چاہتا ہے کہ وہ بھی برداشت کریں۔

ہمارا ایمان ہے کہ اللہ ہمیں پوری طرح جانتا ہے اور ہر پل ہمیں تباہ کرنے پہ قادر بھی ہے، لیکن ہم پھر بھی ہزاروں گناہ کرتے جاتے ہیں اور وہ برداشت کرتا جاتا ہے، سزا نہیں دیتا۔ لیکن جب ہمارا ملازم... ہمارا بھائی... ہمارا عزیز... کسی کی بیوی... کسی کا بیٹا... کسی کی بیٹی... ایک جرم کر لے... اس سے ایک گناہ ہو جائے... ہم اسے معاف کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتے!... اگر ہم معاف نہیں کریں گے تو ڈر لگتا ہے کہ کہیں اللہ بھی ہمیں معاف نہ کرے۔

کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں چیزوں کو ساتھ ساتھ بیان کیا، فرمایا:

(وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا أَلَا تُحِبُّونَ أَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ)[1]

انہیں چاہیے کہ معاف کر دیا کریں، انہیں چاہیے کہ درگزر کر دیا کریں، کیا تم نہیں چاہتے ہو کہ اللہ تمہیں معاف کر دے؟!

2: تحمل: صفت انبیاء کرام علیہم السلام

آپ یاد رکھیے... تحمل تمام انبیاء کی صفت ہے۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے بارے رب تعالیٰ نے خصوصی طور پہ کہا: (إِنَّ إِبْرَاهِيمَ لَحَلِيمٌ أَوَّاهٌ مُنِيبٌ)[2] "بیشک میرا بندہ ابراہیم بڑے تحمل والا، نرم دل اور اللہ کی جانب جھکنے والا تھا"۔

جب اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر ابراہیم علیہ السلام کو بیٹا دیا... اسماعیل علیہ السلام... تب ان کو خوشخبری دی: (وَبَشَّرُوهُ بِغُلَامٍ حَلِيمٍ)[3] تجھے مبارک ہو ہم تجھے بیٹا دیں گے اور بیٹا بھی برداشت اور تحمل والا دیں گے۔

---

[1] النور:22

[2] سورۃ ھود:۷۵

[3] سورۃ ھود:۷۵

بزرگ لوگ جانتے ہیں کہ بڑھاپے میں تحمل والے بیٹے کی کتنی قدر ہوتی ہے... بیٹے تو ہوتے ہیں... خادم کوئی کوئی ہوتا ہے،، بیٹوں میں سے خدمت کوئی کوئی کرتا ہےاور جو بیٹے خدمت کرنے والے ہوتے ہیں... ان میں سے اس بوڑھے انسان کی باتوں پر صبر... برداشت... تحمل سے کام لینے والا کوئی کوئی ہوتا ہے؛ اس لیے رب تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کو مبارک باددی تو کہا: ہم آپ کو ایسا بیٹا دیں گے جو ''حلیم'' تحمل والا ہوگا۔

3: تحمل، جزوِ نبوت

ذہن نشین رہے کہ اپنے اندر تحمل پیدا کرنا نبوت کے چوبیس حصوں میں سے ایک حصہ ہے۔

جامع ترمذی کی حدیث ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

(اَلسَّمْتُ الْحَسَنُ، وَالتُّؤَدَةُ وَالاِقْتِصَادُ جُزْءٌ مِنْ أَرْبَعَةٍ وَعِشْرِينَ جُزْءًا مِنَ النُّبُوَّةِ)[1]

پروقار خوبصورت پیکر ٹھہراؤ اور میانہ روی، نبوت کے چوبیس حصوں میں سے ایک حصہ ہے "

اس کی شرح میں بعض ائمہ کرام رحمہ اللہ نے لکھا ہے:

''کسی کو یہ غلط فہمی نہ ہو کہ نبوت بھی کوئی ایسی چیز ہے جو تقسیم ہوتی ہے، اس حدیث کا اتنا مطلب ضرور ہے کہ انبیاء کرام کو جو عظیم خوبیاں اللہ تعالیٰ دیتے ہیں، اور جس کی بنیاد پر ان کو نبوت کے مقام پر سرفراز کرتے ہیں ان میں سے ایک عظیم خوبی ''تحمل اور برداشت'' ہوتی ہے۔''

[1] جامع الترمذی: ۲۰۱۰

4: تحمل، باعثِ محبت الٰہی

سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قبیلہ عبدالقیس کے سردار "مُنذِر" سے فرمایا:

"إِنَّ فِيكَ لَخَصْلَتَيْنِ يُحِبُّهُمَا اللهُ: اَلْحِلْمُ وَالْأَنَاةُ". [1]

"بلاشبہ آپ میں دو ایسی خوبیاں ہیں جو اللہ کو محبوب ہیں: تحمل، بردباری اور ٹھہراؤ، آہستہ روی"۔

5: تحمل قوت میں اضافے کا باعث

بالعموم ہم یہ سمجھتے ہیں کہ میں نے یہ چیز برداشت کی تو لوگ سمجھیں گے کہ میں بڑا کمزور ہوں اس وجہ سے بدلہ لینے کے لیے انتقام کا جذبہ ہمارے اندر پیدا ہو جاتا ہے۔

لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

"لَيْسَ الشَّدِيدُ بِالصُّرَعَةِ إِنَّمَا الشَّدِيدُ الَّذِي يَمْلِكُ نَفْسَهُ عِنْدَ الْغَضَبِ". [2]

جو لوگوں کو بچھاڑ دے اصل بہادر وہ نہیں ہوتا، بہادر تو وہ ہوتا ہے جو غصے کے وقت مضبوط کنٹرول رکھتا ہے، اپنے آپ پہ ضبط رکھتا ہے۔

جتنی آپ کی برداشت بڑھتی جائے گی آپ کی قوت ارادی، آپ کی ہمت اسی قدر بڑھتی جائے گی۔

6: تحمل، باعثِ اخوت و محبت

جس قدر آپ برداشت کرنے کے عادی ہوتے جائیں گے لوگوں کے دلوں میں آپ کی محبت... آپ کا رعب... آپ کا وقار بڑھتا جائے گا، اور جس قدر آپ عدم برداشت

---

[1] صحیح مسلم:18

[2] صحیح مسلم:2609

کا شکار ہوتے جائیں گے... نہ کسی دوست کی غلطی برداشت کی... نہ بھائی کی کی... نہ اولاد کی غلطی برداشت کی... نہ ہی ہمسائے کی ... اس طرح آپ دوستوں سے محروم ہو جائیں گے۔

اسی لیے اللہ نے اپنے پیغمبر علیہ السلام سے کہا: ''فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللهِ لِنْتَ لَهُمْ ''[1] اے میرے پیغمبر! یہ رب کی رحمت ہے آپ بڑے نرم ہیں اگر آپ سخت مزاج اور تند خو ہوتے (لَانْفَضُّوْا) یہ صحابہ جو جان و مال آپ پر نچھاور کر رہے ہیں یہ سارے آپ کو چھوڑ کر چلے جاتے۔

اللہ تعالیٰ مزید فرماتے ہیں: (اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ أَحْسَنُ فَإِذَا الَّذِيْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَأَنَّهُ وَلِيٌّ حَمِيْمٌ)[2]

یعنی تم اچھے طریقے سے ردعمل دو، مدمقابل سے آپ کی دشمنی بھی ہوئی تو وہ یکایک آپ کا گہرا دوست بن جائے گا، یہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے۔

7: تحمل دخول جنت کا ذریعہ

سلف صالحین، ائمہ عظام رحمہم اللہ اور علماء کرام رحمہم اللہ کہتے ہیں کہ برداشت کر جانا جنت کی حوروں کا حق مہر ہوتا ہے۔

جنتی حوریں ہم لینا چاہتے نا؟ اللہ تعالیٰ ہمارے نصیب میں فرمائے آمین۔

تو ان کا ایک حق مہر تو ہے نا، وہ یہ ہے کہ اپنے اندر برداشت پیدا کریں، حوصلہ پیدا کریں۔

مشتعل مزاج... بہت زیادہ اموشنل، بات بات پہ بگڑنے والے تو جنت کی حوروں کو ایسے شوہر نہیں چاہئیں۔

---

[1] آل عمران (۳/ ۱۵۹)

[2] فصلت: ۴۱/ ۳۴

سلف صالحین، علماء کرام رحمہم اللہ کہتے ہیں کہ یہ جنت کی حوروں کا حق مہر ہے اور ان کی دلیل یہ حدیث ہے:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: (مَنْ كَظَمَ غَيْظًا وَهُوَ قَادِرٌ عَلَى أَنْ يُنْفِذَهُ ، دَعَاهُ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ عَلَى رُءُوسِ الْخَلَائِقِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ حَتَّى يُخَيِّرَهُ اللَّهُ مِنَ الْحُورِ الْعِينِ مَا يَشَاءُ) [1]

جو انتقام کی طاقت کے باوجود، غصے کو پی جاتا ہے کل قیامت کے دن پوری کائنات کے سامنے رب تعالیٰ پروٹوکول، آنر اور عزت دیتے ہوئے اس بندے کو آواز دے کر کہیں گے کہ جنت کی حوریں تمہارے سامنے ہیں جن جن کو چاہتے ہوں جنت میں ساتھ لے جاؤ!

صبر اور تحمل کا باہمی تعلق

قرآن و حدیث میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ تحمل اور برداشت، ٹھہراؤ اور وقار، درحقیقت صبر کی ایک ذیلی قسم ہے اور اہم ترین قسم ہے۔ اگر انسان مصیبت کو برداشت کرے، شکوے شکایتیں زبان پر نہ لائے تو اسے بالعموم صبر کہا جاتا ہے، اس کے برعکس جزع، فزع اور بے چینی ہے، اگر انسان دولت، خوشحالی میں صبر کا دامن تھامے تو یہ ضبط نفس کا رخ اختیار کرتا ہے، اس کا متضاد تکبر اور شیخی ہے، میدان جنگ میں صبر سے کام لیا جائے تو اسے شجاعت و بہادری کہتے ہیں، اس کا متضاد بزدلی ہے، اگر غصہ کی حالت میں انسان صبر سے کام لے تو اسے بالعموم تحمل کہتے ہیں۔ [2]

اس لحاظ سے اگر دیکھا جائے تو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے امید ہے کہ متحمل مزاج، پروقار، اور برداشت والے انسان کو رب تعالیٰ صبر کے فضائل بھی نصیب فرمائے گا۔ چونکہ صبر براہ راست

---

[1] ابوداؤد، 4777، حسن

[2] تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو، إحیاء علوم الدین، غزالی، 4/67

ہمارا موضوع نہیں، اس لیے اس کے تمام فضائل کا تذکرہ یہاں مناسب نہیں، لیکن ان میں سے چند ایک وہ فضائل جن کا صفت حلم اور تحمل سے بہت گہرا تعلق ہے، مختصراً عرض کر دیتا ہوں۔

8) صبر و تحمل کامیابی کا واحد راستہ

اگر آپ کامیابی چاہتے ہیں، تو ضروری ہے کہ آپ زندگی انتہائی دانش اور حکمت عملی کے ساتھ گزاریں، آج ہمارا بہت بڑا مسئلہ حکمت عملی کا فقدان اور جذباتیت کا غلبہ ہے۔ حکمت عملی کے تین بنیادی ارکان ہیں، علم، حلم اور ٹھہراؤ۔ [1]

دنیا میں وہی افراد، وہی قومیں کامیاب ہوتی ہیں، جن کے پاس صبر و یقین کی نعمت ہوتی ہے، نہ صرف وہ لوگ کامیاب ہوتے ہیں، بلکہ امامت ان کے قدم چومتی ہے، اور سیادت ان کی راہیں تکتی ہے:

اس لیے قرآن مجید میں اہل ایمان کو بار بار صبر کی تاکید کی گئی ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْاۣ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ [2]

اے ایمان والو! صبر کرو اور مقابلہ کے وقت مضبوط رہو اور لگے (ڈٹے) رہو، اور اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تم نجات پاؤ۔

اللہ تعالیٰ کی معیت بھی انہی کو نصیب ہوتی ہے، جو صبر سے کام لیتے ہیں سورۂ انفال میں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو ایک آیت مبارکہ میں تین نکاتی ایجنڈا دیا ہے: اور اس کے بعد اپنی معیت کا یقین دلایا ہے:

وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ وَاصْبِرُوْا

---

[1] الخلق الحسن فی ضوء الکتاب والسنۃ، سعید بن علی بن وھف القحطانی: 1/ 105

[2] سورۂ آل عمران: 200

إِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ [1]

اور اللہ اور اس کے رسول کا کہا مانو اور آپس میں نہ جھگڑو ورنہ بزدل ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی، اور صبر کرو، بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنی ملاقاتوں سے الوداع ہوتے وقت سورۃ العصر پڑھتے پھر سلام کہہ کر جدا ہوتے۔ [2]

9) صبر وتحمل کا اجر بے حساب ہے

چونکہ یہ مشکل ترین کام ہیں، اس لیے ان کا اجر بھی بے حساب ہے، گویا جو چند ایک ثواب کے مظاہر بیان کیے گئے ہیں۔ یہ تو محض جھلکیاں ہیں۔ حقیقی اجر وثواب کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا، وہ بلا حساب ہوگا۔

إِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ أَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ [3]

10) ہر چیز میں ٹھہراؤ مطلوب شریعت

انہی وجوہات کی بنا پر ہمارے دین میں ہر ہر چیز کے اندر ٹھہراؤ مطلوب ہے، ہاں جہاں نیکی کمانے کا معاملہ ہو وہاں سبقت کرنا مطلوب ہے، ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے:

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"التُّؤَدَةُ فِي كُلِّ شَيْءٍ، إِلَّا فِي عَمَلِ الْآخِرَةِ". [4] ہر کام کو میانہ روی، ٹھہراؤ، آہستہ روی، غور و فکر مطلوب ہے، ہاں آخرت کے معاملات میں حتی الوسع جلدی کی جائے۔

آخرت کے کاموں کے علاوہ ہر چیز میں ٹھہراؤ (بہتر ہے)۔

---

[1] سورۃ انفال: 46

[2] المعجم الاوسط، طبرانی: 5097، تفسیر ابن کثیر

[3] سورہ زمر: 10

[4] صحیح، ابوداؤد: 4810

11) تحمل امت اسلامیہ کی اہم ترین ضرورت

آج کے پرفتن دور میں امت اسلامیہ جن مشکلات سے دو چار ہے، وہ کسی سے مخفی نہیں، تڑپتے لاشے، کٹے پھٹے بدن، لٹتی ہوئی عزتیں، بلکتے روتے بچے، سسکتی، سلگتی، ہوئی یہ امت۔۔۔ آنسو ہیں کہ تھمتے نہیں۔۔۔ مرثیے ہیں کہ رکتے نہیں۔۔۔ اوپر سے نفسیاتی اذیتیں۔۔۔ اور ایمان پر حملے۔۔۔ کبھی دہشت گردی کے طعنے۔۔۔ کبھی دقیانوسیت کے لیبل۔۔۔ کبھی توہین آمیز خاکوں کے ذریعے ہمارے زخموں پر نمک پاشی اور کہیں Burn Quran Day کے ذریعے سینوں پر تیروں کی بوچھاڑ۔۔۔ اس صورت حال میں ہمارا ردعمل بالعموم جذباتیت اور اشتعال پر مبنی ہوتا ہے۔ یقیناً یہ سب کچھ اشتعال انگیز ہے، احتجاج اور مظاہرے بھی وقت کی ضرورت ہیں۔۔۔ لیکن دیرپا اور Long Term Planning ہماری اصل ضرورت ہے۔۔۔ ایسے Think Tanks جو امت کی کشتی کو انتہائی تحمل، حکمت عملی سے اس بھنور سے نکالیں۔۔۔ کچھ اس ادا سے کہ دوبارہ کسی کافر کو یہ ہمت نہ ہو۔ اس طرح تنظیموں، تحریکوں اور انقلابی نوجوانوں کو بھی جذبۂ جہاد کے ساتھ ساتھ تحمل پر مبنی منصوبہ بندی کی شدید حاجت ہے۔ فتنۂ تکفیر وخروج کے پس منظر میں ایک اہم وجہ اور بنیادی سبب عدم برداشت اور جلد بازی کا رویہ بھی ہے۔

اہل علم کی صحبت، علماء سے راہ نمائی اور طویل المیعاد منصوبہ جات وقت کی پکار ہیں۔

2: تحمل اور سیرتِ نبوی

اب آتے ہیں کہ سیرت کے اندر برداشت کے کیسے کیسے نمونے ہیں؟

پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی زندگی میں کیسی کیسی چیزوں کو برداشت کیا، اور کیسے کیسے افراد کے ساتھ بردباری سے پیش آئے؟! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نمونہ صبر، سراپا استقامت اور پیکر تحمل تھے، حیات طیبہ میں سے چند مثالیں پیش کروں گا۔

1) مشرکین کے ساتھ تحمل

ایسے لوگ جن کو پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بہت برداشت کیا ان میں سرفہرست مشرکین مکہ تھے۔

ان کے چند واقعات آپ کے سامنے پیش کر کے بات کو آگے بڑھاتے ہیں:

i۔ ضماد الازدی

یہ حکیم تھا اور اچھا خاصا نامی گرامی حکیم تھا۔ جب مکہ میں آیا تو مکہ کے لوگوں نے بڑا پروپیگنڈا کیا ہوا تھا: یہاں ایک انسان رہتا ہے (نعوذ باللہ) لگتا ہے اس کو جن لگے ہوئے ہیں یا کوئی مینٹل پرابلم ہے یا مجنون ہے یا کوئی اور مسئلہ ہے۔

اس نے یہ ساری باتیں سنی تو وہ کہنے لگا: میں بہت بڑا حکیم ہوں اور میں نے ایسے بڑے مریضوں کا علاج کیا ہوا ہے، میں اس بندے کے پاس جاتا ہوں اور میں ان پہ دم کرتا ہوں، علاج کرتا ہوں۔ اللہ کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آ گیا۔

میں آپ سے پوچھنا چاہتا ہوں: بالفرض میں اپنی مسجد میں، اپنے چاہنے والے مقتدیوں سامنے بیٹھا ہوں، سب مجھ سے محبت کرتے ہیں۔ اللہ سب کی محبت قبول فرمائے۔ اگر کوئی شخص بھری مجلس میں آ کر کہے: میں نے سنا ہے کہ آپ پاگل ہیں، آپ کا علاج کر دوں تو میرا ردعمل کیا ہوگا؟!

اللہ کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف فرما ہیں، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بیٹھے ہوئے ہیں اور ضماد الازدی بھری مجلس میں آپ کے پاس چلا جاتا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس جا کر کہتا ہے (إِنِّي أَرْقِي مِنْ هٰذِهِ الرِّيحِ وَأَنَّ اللهَ يَشْفِي عَلٰى يَدَيَّ مَنْ شَاءَ) میں بہت بڑا معالج ہوں اور میرے ہاتھوں جسے اللہ چاہتا ہے شفاء دے دیتا ہے تو کیا خیال ہے میں آپ کا علاج نہ کر دوں؟

آپ نے کوئی جواب نہیں دیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پڑھنا شروع کیا: »إِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ، نَحْمَدُهُ وَنَسْتَعِينُهُ، مَنْ يَهْدِهِ اللهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ، وَمَنْ يُضْلِلْ فَلَا هَادِيَ لَهُ، وَأَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ، أَمَّا بَعْدُ« سب تعریفیں اللہ کی ہیں ہم اسی سے مدد مانگتے ہیں، اسی سے اپنے گناہوں کی معافیاں چاہتے ہیں۔

۔طویل حدیث ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ جب اللہ کے پیغمبر نے اس قدر تحمل اور برداشت کا مظاہرہ کیا وہ جو علاج کرنے آیا تھا آپ کی مجلس سے واپس جانے سے پہلے پکار اٹھتا ہے "هَاتِ يَدَكَ أُبَايِعْكَ عَلَى الْإِسْلَامِ" [1] ہاتھ بڑھائیے آپ کے ہاتھ پر بیعت کر کے اسلام لانا چاہتا ہوں، صرف خود ہی نہیں بلکہ اپنی پوری قوم کی طرف سے بھی بیعت اسلام کر کے لوٹا۔ سبحان اللہ! اسے کہتے ہیں تحمل اور برداشت۔

ii۔ واقعہ طائف

سفر طائف اور اس میں پیش آمدہ اذیتیں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت کے مطابق آپ کی زندگی کا سب سے مشکل ترین حادثہ اور مشکل ترین واقعہ تھا جس میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پوری تفصیل بیان کرتے ہیں۔ بالاختصار، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جب طائف کے سرداروں نے بدتمیزی اور

[1] صحیح مسلم:868

بدسلوکی کی انتہا کر دی اور آپ ﷺ بہت مایوس ہوئے تو

فَنَادَانِي مَلَكُ الْجِبَالِ فَسَلَّمَ عَلَيَّ، ثُمَّ قَالَ: يَا مُحَمَّدُ، فَقَالَ، ذَلِكَ فِيمَا شِئْتَ، إِنْ شِئْتَ أَنْ أُطْبِقَ عَلَيْهِمُ الأَخْشَبَيْنِ؟ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: بَلْ أَرْجُو أَنْ يُخْرِجَ اللَّهُ مِنْ أَصْلاَبِهِمْ مَنْ يَعْبُدُ اللَّهَ وَحْدَهُ، لاَ يُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا" [1]

جب جبریل علیہ السلام آئے اور آپ کی عظمت کو سلام پیش کیا اور کہا: عرش والے نے سب کچھ سن لیا ہے! یہ پہاڑوں کا فرشتہ حاضر ہے، بس آپ جو چاہیں حکم فرمائیں۔ پہاڑوں کا فرشتہ آگے بڑھا، سلام پیش کیا اور آپ سے پوچھا: اگر آپ اشارہ کریں تو میں دونوں پہاڑوں کے درمیان طائف کی وادی کو پیس کر رکھ دوں گا؟ آپ ﷺ نے کہا: نہیں نہیں، ایسے نہیں ہوگا "بَلْ أَرْجُو أَنْ يُخْرِجَ اللَّهُ مِنْ أَصْلاَبِهِمْ مَنْ يَعْبُدُ اللَّهَ وَحْدَهُ، لاَ يُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا" مجھے امید ہے کہ ان کی نسلوں سے کلمہ پڑھنے والے لوگ پیدا ہو جائیں گے۔

2) یہود کے ساتھ تحمل

لبید بن عاصم یہودی نے آپ ﷺ پر جادو کیا آپ تکلیف میں رہے، آپ کو رب کریم نے عافیت عطا فرمائی، کیا تحمل! کیا برداشت تھی! سیدنا زید بن اُرقم رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں: ((فَمَا ذَكَرَ ذَالِكَ لِذَالِكَ الْيَهُودِيِّ وَلَا رَآهُ فِي وَجْهِهِ قَطُّ)) کبھی آپ ﷺ نے اس یہودی سے اس کا تذکرہ تک کرنا گوارا نہ فرمایا۔ [2]

3) منافقین کے ساتھ تحمل

منافقین کو آپ ﷺ نے بڑا برداشت کیا رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی نے کیا کیا زیادتی

---

[1] صحیح البخاری: ۳۲۳۱

[2] صحیح سنن نسائی 4080

نہیں کی ہوگی؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ سب کچھ برداشت کیا۔

i۔اس ظالم نے لَيُخْرِجَنَّ الْأَعَزُّ مِنْهَا الْأَذَلَّ کہا

ii۔ اس ظالم نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہل خانہ تک کو معاف نہ کیا، اور واقعہ افک میں بنیادی کردار ادا کیا۔

لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے باوجود، اس سے درگزر کیا، اسے برداشت کیا، حتی کہ اس کی وفات پر اس کا جنازہ پڑھایا اور اسے اپنا جبہ مبارک پہنایا۔

4)اعراب مسلمانوں کے ساتھ تحمل

اب ہم اعراب کا بیان کرتے ہیں، جو عہد نبوی کے اندر گنوار تھے۔۔۔دیہاتی تھے۔۔۔ ان ایجوکیٹڈ (Un-Educated) تھے۔۔۔صحراؤں کے رہنے والے تھے۔۔۔بادیہ نشین تھے۔

اللہ کے قرآن نے بھی ان پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا:

"اَلْأَعْرَابُ أَشَدُّ كُفْرًا وَنِفَاقًا وَأَجْدَرُ أَلَّا يَعْلَمُوا حُدُودَ مَا أَنزَلَ اللَّهُ عَلَىٰ رَسُولِهِ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ" [1]

"گنوار لوگ کفر اور نفاق میں بہت سخت ہیں اور اس قابل ہیں کہ ان احکام سے واقف نہ ہوں جو اللہ نے اپنے رسول پر نازل فرمائے ہیں، اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے۔"

"معلوم ہوا سب سے سخت لوگ کفر اور منافقت کے اندر اعراب لوگ ہیں" وہ لوگ جو بادیہ نشین۔۔۔صحراؤں میں رہنے والے۔۔۔کلچر۔۔۔تہذیب سے کچھ بہت زیادہ واقف نہیں تھے۔۔۔کوئی تعلیم، تہذیب، شائستگی نہیں تھی۔

ان کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کس طرح برداشت کا رویہ اختیار کیا؟

---

[1] سورۃ التوبۃ:97

ا۔ مسجد میں پیشاب کرنے والا اعرابی

(قَامَ أَعْرَابِيٌّ فَبَالَ فِي الْمَسْجِدِ...) سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دیہاتی آدمی آیا اس نے مسجد میں پیشاب کر دیا۔ یہ بے چارہ اس قدر چھوٹے ذہن کا بندہ تھا، اس کی تعلیم اتنی کم تھی کہ دوسری روایت سنن ابن ماجہ میں اس کی وضاحت ہے کہ ڈائریکٹ آتے ہی اس نے پیشاب نہیں کر دیا اس روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ آدمی مسجد میں آیا، اللہ سے دعا کی، اور بڑی دلچسپ دعا کی۔ میں پڑھتا ہوں تو حیران رہ جاتا ہوں کہ کیسے کیسے لوگ پائے جاتے ہیں!

اس نے کہا: ((اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي وَلِمُحَمَّدٍ، وَلَا تَغْفِرْ لِأَحَدٍ مَعَنَا)).[1]

یا اللہ! مجھے معاف کر دے، پیارے نبی کو معاف کر دے ہم دونوں کے علاوہ کسی کو معاف نہیں کرنا ہے۔

یہ دعا کر رہا ہے!!! یہ بے چارہ اتنا سادہ آدمی تھا مسجد میں آیا دعا کرتا ہے:

اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي وَلِمُحَمَّدٍ، وَلَا تَغْفِرْ لِأَحَدٍ مَعَنَا۔ اے اللہ! مجھے معاف کر، اپنے پیغمبر کو معاف کر، ہمارے ساتھ کسی اور کو معاف نہ کرنا۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دعا سن رہے تھے آپ نے پتا نہیں دل میں کیا سوچا ہوگا؟! لیکن تبصرہ یہ کیا (لَقَدْ احْتَظَرْتَ وَاسِعًا!) اے اللہ کے بندے! تو نے بہت کھلے سمندر پہ بند باندھنے کی کوشش کی ہے۔

یہ دعا کر کے فارغ ہوا، واپس جا رہا ہے، مسجد کے کونے میں جب پہنچا تو وہاں بیٹھ کر پیشاب کر دیا۔

کیا خیال ہے آپ کا؟

---

[1] صحیح سنن ابن ماجہ، 529

میں آپ سے پوچھنا چاہوں گا: ہم یہاں بیٹھے ہیں اگر ایک شخص اس مسجد کے کونے مین آئے اور آپ کے سب کے سامنے ایک سائیڈ پہ ہو کے پیشاب کر دے تو ہمارا ردعمل اور ہماری برداشت کیا ہو گی؟

پکڑو اس کو... گستاخ... ظالم... بدتمیز... جاہل... احمق... نکما... پتا ہی نہیں اس کو... کوئی تہذیب ہی نہیں؟!

اب دیکھیے! اللہ کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا کر رہے ہیں؟

جب اس نے پیشاب کر دیا تو دیگر روایات میں آتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اسے روکنے کی کوشش کی ٹھہرو، ٹھہرو یہ کیا کر رہے ہو؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہا: (لَا تُزْرِمُوْهُ) اس کا پیشاب مت روکو۔ [1]

کمال عظمت تھی رب کے پیغمبر کی! اگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فوری اسے ڈانٹ پلاتے اور روکتے تو پہلا نقصان اس کی صحت کا ہوتا، دوسرا نقصان یہ ہوتا جو اس نے پیشاب ایک کونے میں کیا تھا وہاں سے بھاگتا، تو ساری مسجد خراب ہوتی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم روکنے لگے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہا (دَعُوْهُ) چھوڑ دو اس کو کچھ نہ کہو، کر لینے دو پیشاب۔ جب فارغ ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے بلایا، اور اس کو سمجھایا، فرمایا: (إِنَّ الْمَسَاجِدَ لَمْ تُبْنَ لِهٰذَا) اے میرے صحابی! مسجدیں اس لیے نہیں ہوتیں، مسجدیں قضائے حاجت کے لیے نہیں ہوتیں، یہ تو نماز کے لیے... ذکر کے لیے... رب کی یاد کے لیے ہوتی ہیں۔

اور صحابہ رضی اللہ عنہم سے کہا: پانی کا برتن لاؤ (أَهْرِيْقُوْا عَلَيْهِ) اور اس پر بہا دو۔

پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو سمجھایا: (إِنَّمَا بُعِثْتُمْ مُيَسِّرِيْنَ وَلَمْ تُبْعَثُوْا مُعَسِّرِيْنَ) [2] میرے صحابہ! اللہ نے تمہیں آخری امت، میرے ساتھی اس لیے نہیں بنایا کہ لوگوں پہ تنگیاں کرو، اللہ

---

[1] صحیح مسلم: ۲۸۴

[2] صحیح البخاری: ۶۱۲۸

نے تمہیں میرے ساتھی اس لیے بنایا ہے تا کہ تم لوگوں کے لیے آسانیاں پیدا کرو لہذا آسانیاں پیدا کیا کریں اللہ آپ پہ آسانیاں پیدا کرے گا۔ خواہ مخواہ تنگیاں نہ پیدا کیا کریں آپ خود تنگ ہو جاؤ گے، آپ کی زندگی تنگ ہو جائے گی۔

رسول اللہ ﷺ کا صحابی جلیل جو گنوار تھا، کچھ نہیں جانتا تھا، جب ایک وقت رسول رحمت ﷺ کی صحبتوں میں گزارتا ہے، دینی تعلیم حاصل کرتا ہے، تو اس کے بعد ایک بڑی عظیم بات کہا کرتا تھا، یہ کہا کرتا تھا (بِأَبِي وَأُمِّي، لَمْ يُؤَنِّبْ)[1] میرے استاد پہ... میرے پیغمبر پہ... ختم الرسل پہ... میری ماں بھی قربان ہو جائے میرا باپ بھی قربان ہو جائے، جب میں نے ان کی مسجد کو خراب کیا تھا تو انہوں نے مجھے ڈانٹا تک نہیں تھا!!

بچے بہت کچھ کرتے ہیں مسجد میں لیکن ان کو محبت سے سمجھانے کی ضرورت ہوتی ہے ایسا انداز نہیں ہونا چاہیے کہ بے چارہ دوبارہ مسجد کا رخ ہی نہ کرے۔

میرے پاس سٹوڈنٹ پڑھتے ہیں ان میں سے اکثر۔ اللہ ہدایت دے۔ نماز کے عادی نہیں ہوتے، کالج، یونیورسٹی کا اس طرح کا ماحول ہوتا ہے، ان بچوں کے پورے پورے گھرانے بھی بے نماز ہوتے ہیں۔

میں نے بچوں کو سمجھایا کہ بیٹا! نماز پڑھا کریں۔ میرے ساتھ انہوں نے وعدہ کر لیا: پڑھیں گے جی! وہ واپس گئے یونیفارم پہنے ہی مسجد میں پہنچے تو جب انہوں نے مسجد کے مولانا صاحب کے سامنے نماز پڑھی تو اس مولانا صاحب نے کہا: اللہ ان کو ہدایت نصیب فرمائے؛ نہ تہذیب، نہ شائستگی، انگریزوں کا لباس پہن لیتے ہیں اور منہ اٹھائے مسجد میں آجاتے ہیں اور ایسے ہی نماز شروع کر دیتے ہیں۔ اب اس صاحب سے اللہ پوچھے گا نا کہ تیرے گاؤں میں رہتا تھا آپ نے کبھی جا کے تبلیغ نہ کی کہ نماز پڑھا کر، بے چارہ پڑھنے آگیا تو اس کو بھگا دیا؟!

---

[1] ابن ماجہ: ۵۲۹

میں نے کوئی چند ہفتوں کے بعد پوچھا: بیٹا نماز پڑھتے ہو؟ کہنے لگا: استاد جی! ایک دفعہ گیا تھا اب میں نے مسجد میں جانا ہی نہیں!

وہ نیا آیا ہے مسجد میں ضروری تو نہیں کہ ہم اس کی ٹانگ کھینچ کے اپنا پاؤں اوپر رکھ کر اس سے زبردستی سنت پر عمل کرائیں!! چاہے وہ آئندہ اہل دین ہی سے متنفر ہو جائے!!

اللہ کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے جو کہا اس کو ہمیشہ یاد رکھنا ہے:

(إِنَّمَا بُعِثْتُمْ مُيَسِّرِينَ وَلَمْ تُبْعَثُوا مُعَسِّرِينَ) [1] رب نے تمہیں آسانیاں کرنے کے لیے بھیجا ہے تنگیاں کرنے کے لیے نہیں۔

ii۔ مزمل کی چادر کھینچنے والا اعرابی

یہ ایک اور اعرابی ہے:

یہ پوری کیتا گری تھی ان بے چارے انسانوں کی، جن تک نہ کوئی معلم پہنچا، نہ کوئی ثقافت، نہ تہذیب، نہ ان کو کسی نے ایجوکیٹ کیا۔

کونین کے تاجدار آمنہ کے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابی جلیل، خادم خاص سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

(كُنْتُ أَمْشِي مَعَ النَّبِيِّ ﷺ وَعَلَيْهِ بُرْدٌ نَجْرَانِيٌّ غَلِيظٌ) [2]

میں اللہ کے پیغمبر کے ساتھ ساتھ چلا جا رہا تھا اور آپ نے اپنے اوپر مبارک چادر اوڑھ رکھی تھی جو نجران علاقے کی بنی تھی اور چوڑے حاشیے والی تھی موٹی چادر تھی، کنارے بھی چوڑے چوڑے ویسے بھی موٹی، سٹف بھی موٹا جیسے کھردری چادر ہوتی ہے۔

۔ اور آپ جانتے ہیں کہ یہ تو چادر بھی وہ چادر ہے کہ جب پیغمبر اوڑھ لیتے ہیں تو اللہ

---

[1] صحیح البخاری: ۶۱۲۸

[2] صحیح البخاری: ۲۰۸۸

(یاایھا المزمل) کہہ دیتا ہے اور (یاایھا المدثر) کہہ دیتے ہیں۔
آمنہ کے لال صلی اللہ علیہ وسلم جا رہے ہیں خادم خاص سیدنا انس رضی اللہ عنہ ساتھ ہیں۔ موٹی سی چادر اوڑھی ہوئی ہے، ایک گنوار آتا ہے "فَجَذَبَهٗ جَذْبَةً شَدِيْدَةً" یوں اس نے چادر کو پکڑا زور سے کھینچا: "حَتّٰى أَثَّرَتْ بِهٖ حَاشِيَةُ الرِّدَاءِ مِنْ شِدَّةِ جَذْبَتِهٖ" اس قدر زور سے کھینچا کہ آمنہ کے لال صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم مبارک پہ چادر کے نشان پڑ جاتے ہیں۔
آپ مجھے ایمان داری کے ساتھ بتائیں: کپڑے کے نشان جلدی پڑتے ہیں؟! کوئی چھری، چاقو تو نہیں تھا چادر ہی تھی نا! کتنی شدت کے ساتھ اس نے کھینچا ہوگا!! کس زور کے ساتھ اس نے کھینچا ہوگا اور اللہ کے پیغمبر کو کتنی تکلیف ہوئی ہوگی!
اللہ کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے جب دیکھا تو آگے سے وہ کہتا ہے "مُرْلِيْ مِنْ مَالِ اللّٰهِ الَّذِيْ عِنْدَكَ" اللہ نے تمہیں جو مال و دولت دیا ہے، بیت المال میں سے مجھے بھی کچھ دیں۔ اگر کوئی اور ہوتا تو کہتا جا کے اس کو تھپڑ دو، جاؤ تھپڑ دو اس کو، لیکن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تحمل پہ قربان جایئے (فَضَحِكَ) اس کو دیکھ کر مسکرا دیے، پھر کہا: "ثُمَّ أَمَرَ لَهٗ بِعَطَاءٍ" جو مانگتا ہے اس کو دے دو۔ [1]
اللہ کے پیغمبر کی ہستی وہ ہستی ہے کہ جناب ابو بکر صدیق ساری زندگی نیکیاں کرنے والے آپ کی موجودگی میں ایک دفعہ اونچی بولے تھے اور اللہ نے قرآن اتار دیا، فرمایا: (لَا تَرْفَعُوْٓا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ أَنْ تَحْبَطَ أَعْمَالُكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ) [2] ابو بکر، عمر بن الخطاب! تم بیشک سب سے نیک متقی پرہیز گار ہو لیکن تم بھی اچھی طرح سن لو میرے پیغمبر کی موجودگی میں اپنی آواز اونچی نہ کرنا اور عام لوگوں کی طرح میرے پیغمبر کو نہ بلانا وگرنہ تمہاری بھی زندگی کے سارے اعمال ضائع

---

[1] صحیح البخاری: ۳۱۴۹، ۶۰۸۸

[2] الحجرات: ۲

ہو جائیں گے۔اس قدر عظیم ہستی ہیں اور کیا برداشت ہے! کیا حوصلہ ہے! کیا حلم ہے!

کیونکہ جب آپ نے اس کی طرف دیکھا تو آپ پہچان گئے ہوں گے کہ بے چارہ جاہل ہے، گنوار ہے، یہ تو جانتا پہچانتا ہی نہیں، اب میں کیا کروں؟ تو آپ مسکرائے اور اپنی وسعت ظرفی کا اظہار کیا۔

iii۔اعراب کے سوالات

اور کچھ تو اس طرح کے اعراب آتے اللہ کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بڑے عجیب طریقے سے سوال پوچھتے ہیں:

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ : نُهِينَا أَنْ نَسْأَلَ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ شَيْءٍ، فَكَانَ يُعْجِبُنَا أَنْ يَجِيءَ الرَّجُلُ مِنْ أَهْلِ الْبَادِيَةِ الْعَاقِلُ، فَيَسْأَلَهُ وَنَحْنُ نَسْمَعُ، فَجَاءَ رَجُلٌ مِنْ أَهْلِ الْبَادِيَةِ، فَقَالَ : يَا مُحَمَّدُ، أَتَانَا رَسُولُكَ، فَزَعَمَ لَنَا أَنَّكَ تَزْعُمُ أَنَّ اللهَ أَرْسَلَكَ، قَالَ : " صَدَقَ ". قَالَ : فَمَنْ خَلَقَ السَّمَاءَ ؟ قَالَ : " اللهُ ". قَالَ : فَمَنْ خَلَقَ الْأَرْضَ ؟ قَالَ : " اللهُ ". قَالَ : فَمَنْ نَصَبَ هَذِهِ الْجِبَالَ، وَجَعَلَ فِيهَا مَا جَعَلَ ؟ قَالَ : " اللهُ ". قَالَ : فَبِالَّذِي خَلَقَ السَّمَاءَ، وَخَلَقَ الْأَرْضَ، وَنَصَبَ هَذِهِ الْجِبَالَ، آللهُ أَرْسَلَكَ ؟ قَالَ : " نَعَمْ ". [1]

یہ دیکھیں ایک اعرابی آیا کہنے لگا (یا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)!

۔صحابہ کرام رضی اللہ عنہم: یا محمد! نہیں کہتے تھے۔ بالعموم: ''یا رسول اللہ! اے اللہ کے رسول !اے اللہ کے نبی!'' کہہ کر بات کرتے تھے۔

یہ اعراب غیر تعلیم یافتہ اور غیر تربیت یافتہ لوگ ہوتے تھے جو اس طرح بلاتے تھے۔

---

[1] صحیح مسلم، حدیث 12

تو آ کے کہتا ہے: یا محمد! او محمد صلی اللہ علیہ وسلم (أَتَانَا رَسُولُكَ) ہمارے پاس آپ کا قاصد پہنچا ہے اسنے بتایا ہے کہ آپ کہتے ہیں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں؟

اللہ کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ سچ کہتا ہے۔

اس نے پوچھا بتاؤ: (فَمَنْ خَلَقَ السَّمَاءَ) آسمان کس نے پیدا کیا؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ نے پیدا فرمایا ہے۔

اس نے پوچھا: (فَمَنْ خَلَقَ الْأَرْضَ) اچھا یہ بتاؤ کہ زمین کو کس نے پیدا کیا ہے؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ نے پیدا کیا ہے۔

اس نے سوال کیا: پہاڑ کس نے گاڑے؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ نے۔

تو اس نے کہا: (فَبِالَّذِي خَلَقَ السَّمٰوَاتِ وَخَلَقَ الْأَرْضَ وَنَصَبَ هٰذِهِ الْجِبَالَ)

اے محمد! میں تمہیں اللہ کی قسم دیتا ہوں اس اللہ کی جس نے آسمان کو پیدا کیا، جس نے زمین کو پیدا کیا، جس نے پہاڑوں کو گاڑا، اللہ کی قسم اٹھا کر میں تمہیں پوچھنا چاہتا ہوں: کیا واقعتا تم اللہ کے رسول ہو؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: '' نَعَمْ '' جی ہاں، میں اللہ کا رسول ہوں، اللہ نے مجھے اپنا رسول بنا کر بھیجا ہے۔

۔یہ ایک تفصیلی حدیث ہے اسی انداز سے اس کا ساری گفتگو میں باتیں پوچھنے کا انداز رہا۔

جب واپس جانے لگا اللہ کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا: ''لَئِنْ صَدَقَ لَيَدْخُلَنَّ الْجَنَّةَ'' اگر یہ اپنی باتوں میں سچا ہے تو یاد رکھنا میرے صحابہ! یہ رب کی جنتوں میں داخل ہوگا۔

بعض دفعہ کچھ اعراب آتے اللہ کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم باتیں کر رہے ہوتے، خطبہ دے رہے ہیں، تقریر فرما رہے ہیں، گفتگو کر رہے ہیں وہ انتظار نہ کرتے کہ آپ کیا کر رہے ہیں سیدھے جم

کھڑے ہوجاتے، اور اپنے سوالات شروع کردیتے!

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات طیبہ سے میرے علم میں نہیں آتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو ڈانٹ کر بیٹھایا ہو، البتہ آپ اپنی گفتگو پوری فرماتے اور بعد میں کہتے کہ جس نے یہ سوال کیا ہے وہ کہاں ہے؟ پھر اس کو بتادیتے کہ تیرے مسئلے کا جواب یہ ہے۔ یہ بھی برداشت کا انداز ہے۔

5) خادم کے ساتھ تحمل

یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تحمل مشرکین، کفار، منافقین اور اعراب کے ساتھ، جو آپ کے اپنے ہیں، محبت کرنے والے ہیں ان کے ساتھ تحمل کا کیا انداز ہوگا؟ اس کا اندازہ بھی شاید پوری طرح نہیں کیا جا سکتا، صرف چند ایک مثالیں بیان کرتا ہوں۔

خَدَمْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَشْرَ سِنِينَ بِالْمَدِينَةِ، وَأَنَا غُلَامٌ لَيْسَ كُلُّ أَمْرِي كَمَا يَشْتَهِي صَاحِبِي أَنْ أَكُونَ عَلَيْهِ، مَا قَالَ لِي فِيهَا: أُفٍّ، قَطُّ، وَمَا قَالَ لِي: لِمَ فَعَلْتَ هَذَا؟ أَوْ: أَلَّا فَعَلْتَ هَذَا. [1]

حضرت انس (رض) کہتے ہیں کہ میں نے دس سال مدینہ منورہ میں، آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خدمت کی، جبکہ میں کم عمر لڑکا تھا، جیسے آپ چاہتے میرے سب کام ویسے نہیں تھے، لیکن آپ نے اف تک نہیں کہا اور نہ کبھی فرمایا کہ کیوں تو نے ایسا کیا؟ اور نہ یہ فرمایا کہ کہ تو نے ایسا کیوں نہیں کیا!؟

6) ازواج واولاد کے ساتھ تحمل

نبی کریم، رسول امین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اپنی ازواج مطہرات اور اولاد کے اپنی مثال آپ تھا، محبت ہی محبت، پیار ہی پیار، الفت ہی الفت، پیکر وفا تھے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہت زیادہ مصروفیات، نبوت کے بوجھ، رسالت کی ذمہ داراں، بین الاقوامی وفود، غزوات وسرایا اور بے پناہ مشاغل

[1] صحیح بخاری: 6038، صحیح مسلم، سنن ابی داود، 4774 (الفاظ سنن ابی داود کے ہیں)

کے باوجود گھر میں ایسی حلیمانہ اور پرسکون زندگی گزارتے تھے کہ بس انہی کا خاصا تھا۔

صرف ایک منظر ملاحظہ فرمائیے:

عَنْ أَنَسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِنْدَ بَعْضِ نِسَائِهِ فَأَرْسَلَتْ إِحْدَى أُمَّهَاتِ الْمُؤْمِنِينَ بِصَحْفَةٍ فِيهَا طَعَامٌ فَضَرَبَتْ الَّتِي النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي بَيْتِهَا يَدَ الْخَادِمِ فَسَقَطَتْ الصَّحْفَةُ فَانْفَلَقَتْ فَجَمَعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِلَقَ الصَّحْفَةِ ثُمَّ جَعَلَ يَجْمَعُ فِيهَا الطَّعَامَ الَّذِي كَانَ فِي الصَّحْفَةِ وَيَقُولُ غَارَتْ أُمُّكُمْ ثُمَّ حَبَسَ الْخَادِمَ حَتَّى أُتِيَ بِصَحْفَةٍ مِنْ عِنْدِ الَّتِي هُوَ فِي بَيْتِهَا فَدَفَعَ الصَّحْفَةَ الصَّحِيحَةَ إِلَى الَّتِي كُسِرَتْ صَحْفَتُهَا وَأَمْسَكَ الْمَكْسُورَةَ فِي بَيْتِ الَّتِي كَسَرَتْ [1]

سیدنا انس (رض) (بن مالک) سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اپنی کسی بیوی کے پاس تھے کہ آپ کی کسی دوسری بیوی نے ایک رکابی میں کھانا بھیجا، جس بیوی کے گھر میں آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تشریف فرما تھے اس نے غلام کے ہاتھ پر ہاتھ مارا جس سے رکابی گر کر ٹوٹ گئی، نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اس کے ٹکڑے جمع کیے، پھر اس میں جو کچھ کھانا تھا اسے سمیٹتے جاتے اور یہ کہتے جاتے کہ تمہاری ماں (ہاجرہ) نے بھی ایسی ہی غیرت کی تھی، پھر آپ نے خادم کو ٹھہرالیا اور اس بیوی سے جس کے گھر میں آپ تھے دوسری رکابی منگوا کر اس کو دی جس کی رکابی ٹوٹی تھی اور ٹوٹی ہوئی رکابی ان کے گھر میں رکھ دی جنہوں نے توڑی تھی۔

اپنے نواسوں کے ساتھ تحمل کی ایک نادر مثال مطالعہ فرمائیں:

أَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ سَلَّامٍ قَالَ حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ قَالَ

---

[1] صحیح بخاری، کتاب النکاح، باب الغیرۃ، 5225

أَنْبَأَنَا جَرِيرُ بْنُ حَازِمٍ قَالَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ أَبِي يَعْقُوبَ الْبَصْرِيُّ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ شَدَّادٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي إِحْدَى صَلَاتَيِ الْعِشَاءِ وَهُوَ حَامِلٌ حَسَنًا أَوْ حُسَيْنًا فَتَقَدَّمَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَوَضَعَهُ ثُمَّ كَبَّرَ لِلصَّلَاةِ فَصَلَّى فَسَجَدَ بَيْنَ ظَهْرَانَيْ صَلَاتِهِ سَجْدَةً أَطَالَهَا قَالَ أَبِي فَرَفَعْتُ رَأْسِي وَإِذَا الصَّبِيُّ عَلَى ظَهْرِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ سَاجِدٌ فَرَجَعْتُ إِلَى سُجُودِي فَلَمَّا قَضَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الصَّلَاةَ قَالَ النَّاسُ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّكَ سَجَدْتَ بَيْنَ ظَهْرَانَيْ صَلَاتِكَ سَجْدَةً أَطَلْتَهَا حَتَّى ظَنَنَّا أَنَّهُ قَدْ حَدَثَ أَمْرٌ أَوْ أَنَّهُ يُوحَى إِلَيْكَ قَالَ كُلُّ ذَلِكَ لَمْ يَكُنْ وَلَكِنَّ ابْنِي ارْتَحَلَنِي فَكَرِهْتُ أَنْ أُعَجِّلَهُ حَتَّى يَقْضِيَ حَاجَتَهُ

جناب عبداللہ بن شداد اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پچھلے پہر کی کوئی ایک نماز (ظہر یا عصر) ادا کرنے کیلئے باہر تشریف لائے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس وقت حضرت حسن یا حضرت حسین کو گود میں اٹھائے ہوئے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس وقت آگے بڑھے (نماز کی امامت فرمانے کیلئے) اور ان کو بٹھلایا زمین پر پھر نماز کے واسطے تکبیر فرمائی اور نماز شروع فرمائی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز کے درمیان ایک سجدہ میں تاخیر فرمائی تو میں نے سر اٹھایا تو دیکھا کہ صاحب زادے (یعنی رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نواسے) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پشت مبارک پر ہیں اور اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حالت سجدہ میں ہیں۔ پھر میں سجدہ میں چلا گیا جس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز سے فارغ ہو گئے تو لوگوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز کے دوران ایک سجدہ ادا فرمانے میں تاخیر فرمائی۔ یہاں تک کہ ہم لوگوں کو اس بات کا خیال ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ کسی قسم کا کوئی حادثہ پیش آ گیا یا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وحی نازل ہو گئی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ایسی کوئی بات نہیں تھی میرا لڑکا (نواسہ) مجھ پر سوار ہوا تو مجھ کو (برا) محسوس ہوا کہ میں جلدی اٹھ کھڑا ہوں اور اس کی

مراد (کھیلنے کی خواہش) مکمل نہ ہو۔ [1]

7) معترضین کے ساتھ تحمل وبردباری

جب کوئی شخص آپ پر اعتراض کرتا ہے تو اس وقت آپ کو ایک طیش آتا ہے، طبیعت غضبناک ہو جاتی ہے اور انتقام لینے کو دل چاہتا ہے۔

قربان جایئے رسول ﷺ کے اخلاق عالیہ اور آپ کے حوصلے پر، آپ سید خلائق ہیں، امام الرسل ہیں، جاںنثاران کی محفل میں ہیں، بھری محفل میں اعتراض کیا جاتا ہے اور آپ انتہائی صبر اور تحمل کا مظاہرہ فرماتے ہیں:

i) آپ ﷺ کی تقسیم پر ایک آدمی کا اعتراض

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ لَمَّا كَانَ يَوْمُ حُنَيْنٍ آثَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَاسًا أَعْطَى الْأَقْرَعَ مِائَةً مِنَ الْإِبِلِ وَأَعْطَى عُيَيْنَةَ مِثْلَ ذٰلِكَ وَأَعْطَى نَاسًا فَقَالَ رَجُلٌ مَا أُرِيدَ بِهٰذِهِ الْقِسْمَةِ وَجْهُ اللّٰهِ فَقُلْتُ لَأُخْبِرَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ رَحِمَ اللّٰهُ مُوسَى قَدْ أُوذِيَ بِأَكْثَرَ مِنْ هٰذَا فَصَبَرَ [2]

جناب ابن مسعود (رضی اللہ عنہ) روایت کرتے ہیں انہوں نے بیان کیا کہ حنین کے دن آنحضرت (ﷺ) نے بعض لوگوں کو زیادہ دیا چنانچہ اقرع اور عیینہ کو سو اونٹ دیئے اور دوسرے (قریشی) لوگوں کو بھی دے دیا تو ایک آدمی نے کہا کہ اس تقسیم میں حکم الٰہی کی رعایت نہیں ہوئی!! میں نے کہا یہ بات میں ضرور آنحضرت (ﷺ) کو بتاؤں گا، آپ نے (یہ بات سن کر) فرمایا اللہ تعالیٰ موسیٰ پر رحم کرے انہیں اس سے بھی زیادہ تکلیف دی گئی تو انہوں نے صبر کیا۔

---

[1] سنن نسائی، حدیث: 1141

[2] صحیح البخاری، 2981

ii) ایک خارجی کے اعتراض پر صبر و تحمل

بَعَثَ عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْيَمَنِ بِذُهَيْبَةٍ فِي أَدِيمٍ مَقْرُوظٍ لَمْ تُحَصَّلْ مِنْ تُرَابِهَا قَالَ فَقَسَمَهَا بَيْنَ أَرْبَعَةِ نَفَرٍ بَيْنَ عُيَيْنَةَ بْنِ بَدْرٍ وَأَقْرَعَ بْنِ حَابِسٍ وَزَيْدِ الْخَيْلِ وَالرَّابِعُ إِمَّا عَلْقَمَةُ وَإِمَّا عَامِرُ بْنُ الطُّفَيْلِ فَقَالَ رَجُلٌ مِنْ أَصْحَابِهِ كُنَّا نَحْنُ أَحَقَّ بِهَذَا مِنْ هَؤُلَاءِ قَالَ فَبَلَغَ ذَلِكَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ أَلَا تَأْمَنُونِي وَأَنَا أَمِينُ مَنْ فِي السَّمَاءِ يَأْتِينِي خَبَرُ السَّمَاءِ صَبَاحًا وَمَسَاءً قَالَ فَقَامَ رَجُلٌ غَائِرُ الْعَيْنَيْنِ مُشْرِفُ الْوَجْنَتَيْنِ نَاشِزُ الْجَبْهَةِ كَثُّ اللِّحْيَةِ مَحْلُوقُ الرَّأْسِ مُشَمَّرُ الْإِزَارِ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ اتَّقِ اللَّهَ قَالَ وَيْلَكَ أَوَلَسْتُ أَحَقَّ أَهْلِ الْأَرْضِ أَنْ يَتَّقِيَ اللَّهَ قَالَ ثُمَّ وَلَّى الرَّجُلُ قَالَ خَالِدُ بْنُ الْوَلِيدِ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَلَا أَضْرِبُ عُنُقَهُ قَالَ لَا لَعَلَّهُ أَنْ يَكُونَ يُصَلِّي فَقَالَ خَالِدٌ وَكَمْ مِنْ مُصَلٍّ يَقُولُ بِلِسَانِهِ مَا لَيْسَ فِي قَلْبِهِ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنِّي لَمْ أُومَرْ أَنْ أَنْقُبَ عَنْ قُلُوبِ النَّاسِ وَلَا أَشُقَّ بُطُونَهُمْ قَالَ ثُمَّ نَظَرَ إِلَيْهِ وَهُوَ مُقَفٍّ فَقَالَ إِنَّهُ يَخْرُجُ مِنْ ضِئْضِئِ هَذَا قَوْمٌ يَتْلُونَ كِتَابَ اللَّهِ رَطْبًا لَا يُجَاوِزُ حَنَاجِرَهُمْ يَمْرُقُونَ مِنَ الدِّينِ كَمَا يَمْرُقُ السَّهْمُ مِنَ الرَّمِيَّةِ وَأَظُنُّهُ قَالَ لَئِنْ أَدْرَكْتُهُمْ لَأَقْتُلَنَّهُمْ قَتْلَ ثَمُودَ [1]

جناب ابوسعید خدری (رضی اللہ عنہ) سے مروی ہے کہ حضرت علی (رضی اللہ عنہ) نے یمن سے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے لئے رنگے ہوئے چمڑے کے تھیلے میں تھوڑا سا سونا بھیجا جس کی مٹی اس سونے سے جدا نہیں کی گئی (کہ تازہ کان سے نکلا تھا)، آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اسے چار آدمیوں عیینہ بن

[1] صحیح بخاری، حدیث: 1541

بدر، اقرع بن حابس، زید بن خیل اور چوتھے عاقمہ یا عامر بن طفیل رضی اللہ عنہم کے درمیان تقسیم کر دیا آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے اصحاب (رضی اللہ عنہ) میں سے ایک آدمی نے کہا کہ ہم اس کے ان لوگوں سے زیادہ مستحق ہیں آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو جب یہ بات معلوم ہوئی تو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: کیا تمہیں مجھ پر اطمینان نہیں ہے؟ حالانکہ میں آسمان والے کا امین ہوں۔ میرے پاس صبح وشام آسمان والے کی خبریں آتی ہیں، تو ایک آدمی دھنسی ہوئی آنکھوں والا، رخساروں کی ہڈیاں ابھری ہوئی، اونچی پیشانی گھنی داڑھی، منڈا ہوا سر تہ بند اٹھائے ہوئے تھا۔ کھڑا ہو کر بولا یا رسول اللہ! اللہ سے ڈر! آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا تجھ پر افسوس!!، کیا میں تمام روئے زمین پر اللہ تعالیٰ سے زیادہ ڈرنے کا مستحق نہیں ہوں؟ پھر وہ آدمی چلا گیا تو خالد بن ولید نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا میں اس کی گردن نہ ماردوں؟ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: نہیں ممکن ہے وہ نماز پڑھتا ہو (یعنی ظاہری اسلام سے وہ مستحق قتل نہیں رہا) خالد (رضی اللہ عنہ) نے عرض کیا اور بہت سے ایسے نمازی ہیں جو زبان سے ایسی باتیں کہتے ہیں جو ان کے دل میں نہیں ہوتیں (یعنی منافق ہوتے ہیں) تو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا مجھے لوگوں کے دلوں کو کریدنے اور ان کے پیٹوں کو چاک کر (کے باطنی حالات معلوم) کرنے کا حکم نہیں ہے۔ ابوسعید (رضی اللہ عنہ) کہتے ہیں کہ جب وہ پیٹھ موڑے جا رہا تھا آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے پھر اس کی طرف دیکھ کر فرمایا: اس شخص کی نسل سے وہ قوم پیدا ہوگی جو کتاب اللہ کو مزے سے پڑھے گی، حالانکہ وہ ان کے گلوں سے نیچے نہ اترے گا، دین سے وہ اس طرح نکل جائیں گے جس طرح تیر شکار کے آر پار نکل جاتا ہے ابوسعید (رضی اللہ عنہ) کہتے ہیں مجھے یاد پڑتا ہے کہ یہ بھی فرمایا کہ اگر میں اس قوم کے زمانہ میں ہوتا تو قوم ثمود کی طرح انہیں قتل کر دیتا۔

3: ہمارے پاکستانی معاشرے میں برداشت کے اہم مواقع

یہ تو ہمارے پیارے نبی ﷺ کا اُسوۂ مبارکہ ہے، لیکن اس کے برعکس ہمارے معاشرے میں تحمل، ٹھہراؤ اور برداشت کی بجائے عدم برداشت کے رویے جابجا دکھائی دیتے ہیں۔

بہت معمولی بات پر لوگ مشتعل ہو جاتے ہیں۔ لاہور کے ایک بڑے نفیس صاحب تھے، ان کے والد مرحوم میرے جاننے والے تھے اپنے کرایہ دار سے کرایہ کا مطالبہ کیا، مسلسل ٹالتا رہا، گھر خالی کرنے کو کہا تو اس نے موقع پر ہی مالک مکان کو گولی کا نشانہ بنا دیا یا قتل کر دیا۔

کہیں ملازمہ کی معمولی کوتاہی پر اسے مارا پیٹا جاتا ہے، کہیں شوہر معمولی تنازعہ پر بیوی کو طلاق دے رہا ہے، یعنی چھوٹی چھوٹی باتوں پر ہم انتہائی بڑے بڑے قدم اٹھا لیتے ہیں۔ اخبارات، چینلز اور سوشل میڈیا پر تشدد کے واقعات اس کثرت کے ساتھ رپورٹ ہوتے ہیں کہ یقین نہیں آتا، ہم اس قدر اخلاقی زوال کا شکار ہو چکے ہیں۔ اور تو اور بعض دفعہ والدین اپنی اولاد، حقیقی اولاد کی معمولی غلطی برداشت نہیں کرتے اور انتہائی تشدد سے کام لیتے ہیں، اسی طرح بسا اوقات حقیقی اولاد اپنے سگے، کمزور والدین پر رحم نہیں کرتی اور ان کی زندگی اجیرن کر دیتی ہے۔

اس ساری صورتحال میں برداشت اور تحمل کی تربیت ہمارے معاشرے کی اہم ترین ضرورت ہے، ہمہ وقتی ضرورت ہے۔ لیکن چند اہم مواقع جن پر اپنے مشاہدے کے مطابق میں زیادہ ضرورت محسوس کرتا ہوں۔ ان کی نشاندہی آپ کے سامنے کیے دیتا ہوں۔ اللہ کرے میرے اور آپ کے لیے سبق کا سامان ہو جائے۔ آمین۔

1) مذہبی رواداری اور برداشت

دنیا میں مختلف مذاہب کے حامل لوگ بستے ہیں۔ بلاشبہ ہمارا اپنے مذہب بلکہ دین، دین

اسلام کی حقانیت پر غیر متزلزل یقین ہے اور ہونا چاہیے۔ ہمارا یہ بھی یقین ہے کہ اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ [1]، اللہ تعالیٰ کے ہاں پسندیدہ اور مقبول دین صرف دین اسلام ہی ہے، اس پر زندگی اور اس پر موت کی تمنا، وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَأَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ [2]، اور اسی دین پر رب کے حضور پیشی۔

اس پختہ عقیدے کے باوجود ہمیں یہ تسلیم کرنا ہوگا کہ دنیا میں دیگر مذاہب سے وابستہ لوگ بھی رہتے ہیں، جب ان کے ساتھ رہنے کا سلیقہ نہیں آئے گا، دنیا امن کا منہ نہیں دیکھ سکے گی اور معاشرے افراتفری کا شکار رہیں گے۔ اس حوالے سے اسلام نے غیر مسلموں کی مختلف اقسام بتائی ہیں، [3] جن کا خلاصہ یہ ہے:

(۱) حربی غیر مسلم

ایسے کفار جو مسلمانوں سے برسر پیکار ہیں، ان کے بارے کوئی نرم گوشہ، کسی طرح کی نرمی دل میں نہیں ہونی چاہیے، بلکہ قرآن مجید کا واضح حکم ہے۔

یَآ اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قَاتِلُوا الَّذِیْنَ یَلُوْنَكُمْ مِّنَ الْكُفَّارِ وَلْیَجِدُوْا فِیْكُمْ غِلْظَةً وَاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِیْنَ

اے ایمان والو! اپنے نزدیک کے کافروں سے لڑو اور چاہیے کہ وہ تم میں سختی پائیں، اور جان لو کہ اللہ پرہیز گاروں کے ساتھ ہے۔ [4]

(۲) ذِمّی غیر مسلم

ایسے غیر مسلم جو کسی مسلم ریاست کے شہری ہوں اور وہاں پُر امن زندگی بسر کر رہے ہیں۔ ان کے

---

[1] آل عمران:20

[2] آل عمران:102

[3] تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو، زاد المعاد، ابن القیم، 145/3، فتح الباری، 330/7

[4] سورۃ التوبہ:123

ساتھ حسن سلوک، اعلیٰ اخلاق، انسانی بنیادوں پر ہمدردی ہمارے دین کی خوبصورت تعلیم ہے۔

اللہ رب العزت نے فرمایا:

لَّا يَنْهَاكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِينَ لَمْ يُقَاتِلُوكُمْ فِي الدِّينِ وَلَمْ يُخْرِجُوكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ أَنْ تَبَرُّوهُمْ وَتُقْسِطُوا إِلَيْهِمْ ۚ إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ۔

اللہ تمہیں ان لوگوں سے منع نہیں کرتا جو تم سے دین کے بارے میں نہیں لڑتے اور نہ انہوں نے تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا ہے اس بات سے کہ تم ان سے بھلائی کرو اور ان کے حق میں انصاف کرو، بے شک اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ [1]

(۳) معاہدین

ایسے کفار جو مسلم ریاست کے شہری تو نہیں، لیکن ان کے ساتھ امن معاہدہ ہے اور صلح والا معاملہ ہے ان کے متعلق دین اسلام کہتا ہے، کہ مسلمان اپنے وعدے کے پاسدار ہوتے ہیں، جب تک وہ عہد شکنی نہ کریں، مسلمان اپنے معاہدے پر قائم رہیں۔

اہل ذمہ اور اہل معاہدہ کے جان و مال ایک سچے مسلمان پر حرام ہوتے ہیں، وہ ان کے درپے نہیں ہوتا، اور جو مسلمان ایسا کرتا ہے، اس کے لیے سخت وعید ہے، رسو اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ قَتَلَ نَفْسًا مُعَاهَدًا لَمْ يَرِحْ رَائِحَةَ الْجَنَّةِ وَإِنَّ رِيحَهَا لَيُوجَدُ مِنْ

[1] سورۃ ممتحنہ:8

مَسِيرَةِ أَرْبَعِينَ عَامًا [1]

حضرت عبداللہ بن عمرو (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے انہوں نے بیان کیا کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ارشاد فرمایا کہ جس نے کسی ایسے شخص کو قتل کیا جس سے معاہدہ ہو تو وہ جنت کی خوشبو نہ پائے گا، حالانکہ اس کی خوشبو چالیس سال کی مسافت سے محسوس ہوتی ہے۔

[1] صحیح البخاری، 3166

غیر مسلم اقلیات کے ساتھ حسن سلوک کی چند روشن مثالیں

i) غیر مسلم ہمسائے کے ساتھ حسن سلوک

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کے بارے آتا ہے:

ذُبِحَتْ لَهُ شَاةٌ فِي أَهْلِهِ، فَلَمَّا جَاءَ قَالَ : أَهْدَيْتُمْ لِجَارِنَا الْيَهُودِيِّ ؟ أَهْدَيْتُمْ لِجَارِنَا الْيَهُودِيِّ ؟ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقُولُ : " مَا زَالَ جِبْرِيلُ يُوصِينِي بِالْجَارِ ؛ حَتَّى ظَنَنْتُ أَنَّهُ سَيُوَرِّثُهُ ". [1]

آپ رضی اللہ عنہ کے گھرانے میں بکری ذبح ہوئی، تشریف لائے اور پوچھا، ہمارے یہودی ہمسائے کو بھی ہدیہ بھیجا؟ ہمارے یہودی پڑوس کو بھی اس میں سے تحفہ بھیجا؟ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے آپ فرماتے تھے: جبریل مجھے ہمسایوں کے بارے میں مسلسل تاکید فرماتے رہے، حتی کہ میں نے سوچا، شاید وہ ہمسائے کو وارثت میں سے بھی حصہ دیں گے۔

اس حدیث مبارک سے معلوم ہوتا ہے کہ ہمسائے کے ساتھ حسن سلوک کی احادیث کو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ صرف مسلمانوں کے ساتھ خاص نہیں سمجھتے تھے۔

ii) تحائف کا تبادلہ

تحائف اور ہدایا سے سماج میں محبت بڑھتی ہے، اس لیے شریعت اسلامیہ نے کفار سے ہدیہ لینے اور انہیں تحفہ دینے کی رخصت دی ہے، جب نیت یہ ہو کہ اس سے اسلام کی اعلیٰ اخلاقی تعلیمات دوسروں تک پہنچیں، ان کو دعوت کا موقع ملے، بالخصوص جب وہ ہمسایہ ہو یا رشتہ دار ہو۔

۱، ۲) صحیح بخاری میں امام بخاری نے تعلیقا بیان کیا ہے، کہ نبی علیہ السلام کو ایک یہودی عورت نے زہر آلود بکری تحفہ دی تھی اور ایلہ کے بادشاہ نے بھی آپ علیہ السلام کو ایک سفید خچر اور ایک چادر تحفہ

---

[1] بخاری:6015،مسلم:2625

دی تھی۔ [1]

۴) حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے ایک مشرک بھائی کو کپڑے تحفتاً بھیجے تھے۔ [2]

لیکن کفار کے خاص تہوار کے موقع پر ان کو تحفہ دینا جائز نہیں، کیونکہ غیر مسلم کا مذہبی تہوار، ان کے مذہب کا اظہار ہے، اوراس موقع پر تحفہ دینا ان کے مذہب پر رضامندی کی نشانی ہے، یہ سخت گناہ ہے اور حرام۔

iii) غیر مسلم کی بیمار پرسی

اگر غیر مسلم بیمار ہے تو آپ انسانی بنیادوں پر اس کی تیارداری کر سکتے ہیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ ایک یہودی لڑکا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کیا کرتا تھا، وہ بیمار ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کی عیادت کے لیے تشریف لیے گئے۔ [3]

iv) غیر مسلم کے ساتھ مالی تعاون

انسانی بنیادوں پر غیر مسلموں کو مالی مدد بھی فراہم کی جا سکتی ہے۔ بالخصوص جب وہ قریبی رشتہ دار ہوں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک یہودی عورت کے سوال کرنے پر اسے بھی دینے سے گریز نہ کیا۔ [4]

لیکن زکاۃ کی مد سے غیر مسلموں کو نہیں دیا جا سکتا، زکاۃ مسلمانوں سے لی جاتی ہے، انہی پر خرچ کی جائے، اس طرح جب مسلمان مستحقین موجود ہوں تو ترجیحاً مسلمانوں پر ہی خرچ کرنا چاہیے۔ بلکہ مسلمانوں میں سے بھی اچھے اور نیک مسلمان زیادہ مستحق ہیں۔

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الھبہ، باب قبول الھدیۃ من المشرکین، قبل حدیث: 2615،2616

[2] صحیح بخاری: 2619

[3] صحیح بخاری: 1356

[4] مسند احمد: 24815

v) غیر مسلم کے جنازے کا احترام

موت ایک دکھ والم کا پیغام لاتی ہے۔ بحیثیت انسان غیر مسلم کو بھی اپنے عزیز کی وفات پر صدمہ پہنچتا ہے ہم اس کی کسی مذہبی رسم میں شریک نہیں ہو سکتے، لیکن انسانی بنیادوں پر اس غم کے موقع پر ان سے ہمدردی کی جا سکتی ہے۔

ایک مرتبہ ایک یہودی کا جنازہ گزرا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو گئے، صحابہ نے عرض کیا یہ تو یہودی کا جنازہ ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: آخر وہ بھی تو انسان تھا " إِنَّ فِيهِ لَنَفْسًا " [1]

vi) غیر مسلم سے کاروباری تعلقات

کاروبار، خرید وفروخت، لین دین انسانی زندگی کا لازمی جز ہے، یہ چیزیں جس طرح مسلمانوں کے ساتھ درست ہیں اسی طرح غیر مسلم افراد کے ساتھ بھی جائز ہیں، غیر مسلم طبقے سے تجارتی تعلقات شرعی حدود میں رہتے ہوئے کیے جا سکتے ہیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم اشْتَرَى طَعَامًا مِنْ يَهُودِيٍّ إِلَى أَجَلٍ وَرَهَنَهُ دِرْعَهُ مِنْ حَدِيدٍ۔ [2]

'رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک یہودی سے ایک مدت کے لیے غلہ خریدا اور اس کے پاس اپنے لوہے کی زرہ رہن رکھی۔

ایک اہم وضاحت

خلاصہ یہ ہے کہ انسانیت میں ساری قوم شامل ہیں، جہاں انسانیت کی بات آئے گی وہاں ان کے ساتھ ہمدردی، خیر خواہی رواداری وغیرہ میں کوئی کوتاہی نہیں کی جائے گی، اچھے اخلاق

---

[1] صحیح بخاری:1312،1311

[2] صحیح بخاری:2096

کے ذریعہ ہم ایک اچھا انسان ہونے کا ثبوت دیں گے؛ تاکہ اسلام کی اچھی تصویر ان کے ذہن میں بیٹھے اور کم از کم اسلام اور مسلمانوں کے تئیں نرم گوشہ ان کے دل میں پیدا ہو، تاہم شریعت اسلامی کے ہم پابند ہیں، ایک مسلمان کو رواداری کے نام پر ذرہ برابر دین کے معاملے میں مداہنت یا کسی ردوبدل اور ترمیم کی اجازت نہیں ہے، مخالفین کی خواہشات کے سامنے جھک جانا بڑے خسارے کا سودا ہوگا، عہد نبوی میں بعض کفار کی خواہش تھی کہ آپ ﷺ ان کے مذہب کو برداشت کرلیں، رواداری یا اخلاق کی آڑ میں ان کے مذہب کی طرف جھکنا دنیا وآخرت دونوں کو تباہ کردے گی، ارشاد باری تعالی ہے:

إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيلِهِ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ ○ فَلَا تُطِعِ الْمُكَذِّبِينَ ○ وَدُّوا لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُونَ ○

"بے شک آپ کا رب ہی خوب جانتا ہے کہ کون اس کی راہ سے بہکا ہے، اور وہ ہدایت پانے والوں کو بھی خوب جانتا ہے۔ پس آپ جھٹلانے والوں کا کہنا نہ مانیں۔ وہ تو چاہتے ہیں کہ کہیں آپ نرمی کریں تو وہ بھی نرمی کریں۔" [1]

بلکہ کفار کے خاص تہذیبی، تمدنی اور مذہبی مسائل جو ان کی خاص پہچان ہوں ان میں ان کے ساتھ شریک ہونا تو دور رہا، ان کی مشابہت بھی جائز نہیں، جو ان کی مشابہت کرے گا وہ انہی میں سے ہوگا،

کیونکہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: جس نے بھی کسی قوم سے مشابہت اختیار کی وہ انہیں میں سے ہے۔ [2]

اسی طرح ان سے دلی دوستی، جگری تعلق اور گہری محبت بھی جائز نہیں۔

---

[1] سورۃ قلم: 9،8،7

[2] سنن ابوداود کتاب اللباس حدیث نمبر (3512) علامہ البانی رحمہ اللہ نے صحیح ابوداود حدیث نمبر (3401) میں اسے حسن صحیح قرار دیا ہے۔

يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰٓى اَوْلِيَآءَ ۘ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۚ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ ۗ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ اے ایمان والو! یہود اور نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ وہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں، اور جو کوئی تم میں سے ان کے ساتھ دوستی کرے تو وہ انہیں سے ہے، اللہ ظالموں کو ہدایت نہیں کرتا۔ [1]

یہ دلی محبت اپنے حقیقی کافر باپ اور ماں سے بھی جائز نہیں۔

يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْٓا اٰبَآءَكُمْ وَاِخْوَانَكُمْ اَوْلِيَآءَ اِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَى الْاِيْمَانِ ۭ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ

اے ایمان والو! اپنے باپوں اور بھائیوں سے دوستی نہ رکھو اگر وہ ایمان پر کفر کو پسند کریں، اور تم میں سے جو ان سے دوستی رکھے گا سو وہی لوگ ظالم ہیں۔ [2]

ہمارے بعض سادہ لوح مسلمان اور کچھ نام نہاد سفراء امن، مذہبی ہم آہنگی کے نام پر اور بین المذہب رواداری کے نام پر جو ان کے مذہبی تہواروں میں شریک ہوتے ہیں، یہ سخت بے حمیتی ہے۔

اس معنی میں شرکت تو بہت بعید، ان کی طرف میلان رکھنا بھی جائز نہیں، اپنے دین پر استقامت اور کفار کی طرف میلان سے روکتے ہوئے، اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں دوٹوک ارشاد فرمایا ہے:

فَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ وَمَنْ تَابَ مَعَكَ وَلَا تَطْغَوْا ۭ اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ○ وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ ۙ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَآءَ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ○

---

[1] سورۃ مائدۃ:51

[2] سورۃ توبہ:23

''سو تو پکار جیسا کہ تجھے حکم دیا گیا ہے اور جنہوں نے تیرے ساتھ توبہ کی ہے اور حد سے نہ بڑھو، بے شک وہ دیکھتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو۔ اور ان کی طرف مت جھکو جو ظالم ہیں پھر تمہیں بھی آگ چھوئے گی، اور اللہ کے سوا تمہارا کوئی مددگار نہیں ہے پھر کہیں سے مدد نہ پاؤ گے۔'' [1]

2) لسانی، نسلی اور علاقائی اختلافات میں تحمل

لسانی اور نسلی تعصب بھی بعض اوقات عدم برداشت کا باعث بن جاتا ہے۔ ہمارے بعض علاقوں سے لسانی تعصب، نسلی غرور، اور قبائلی عصبیت کی بدبو آتی ہے۔ اس تعصب کے مریض خود کو اعلیٰ اور برتر سمجھتے ہیں، دوسرے کو کمتر اور گھٹیا، حالانکہ ان کو معلوم ہونا چاہیے کہ امت مسلمہ کی عزت صرف اور صرف دین اسلام اور اعلیٰ کردار کے ساتھ وابستہ ہے۔

اللہ رب العزت نے فرمایا:

يَآأَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّأُنْثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ أَتْقَاكُمْ إِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ

اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک ہی مرد اور عورت سے پیدا کیا ہے اور تمہارے خاندان اور قومیں جو بنائی ہیں تاکہ تمہیں آپس میں پہچان ہو، بے شک زیادہ عزت والا تم میں سے اللہ کے نزدیک وہ ہے جو تم میں سے زیادہ پرہیزگار ہے، بے شک اللہ سب کچھ جاننے والا خبردار ہے۔ [2]

اسلامی نقطہ نظر سے یہ سب جاہلیت کے دعوے ہیں، اور کافرانہ باتیں حتیٰ کہ مہاجرین اور انصار جیسے مقدس گروہ، اگر ان میں بھی تعصب کی آمیزش آئے تو اسے بھی ترک کرنا ضروری ہے۔

كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي غَزَاةٍ فَكَسَعَ رَجُلٌ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ

---

[1] سورۃ ہود: 112، 113

[2] الحجرات: 13

رَجُلًا مِنَ الْأَنْصَارِ فَقَالَ الْأَنْصَارِيُّ يَا لَلْأَنْصَارِ وَقَالَ الْمُهَاجِرِيُّ يَا لَلْمُهَاجِرِينَ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا بَالُ دَعْوَى الْجَاهِلِيَّةِ قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ كَسَعَ رَجُلٌ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ رَجُلًا مِنَ الْأَنْصَارِ فَقَالَ دَعُوهَا فَإِنَّهَا مُنْتِنَةٌ فَسَمِعَهَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ أُبَيٍّ فَقَالَ قَدْ فَعَلُوهَا وَاللَّهِ لَئِنْ رَجَعْنَا إِلَى الْمَدِينَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْأَعَزُّ مِنْهَا الْأَذَلَّ قَالَ عُمَرُ دَعْنِي أَضْرِبُ عُنُقَ هَذَا الْمُنَافِقِ فَقَالَ دَعْهُ لَا يَتَحَدَّثُ النَّاسُ أَنَّ مُحَمَّدًا يَقْتُلُ أَصْحَابَهُ

حضرت عمرو اور حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں: کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ایک غزوہ میں تھے تو مہاجرین کے ایک آدمی نے انصار کے ایک آدمی کو سرین پر مارا تو انصاری نے کہا اے انصار اور مہاجر نے کہا اے مہاجرو! (یعنی دونوں نے اپنے اپنے قبائل کو مدد کے لئے پکارا) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے (یہ آواز سن کر) فرمایا: یہ کیا جاہلیت کی پکار ہے! لوگوں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول مہاجرین کے ایک آدمی نے انصار کے ایک آدمی کو پاؤں کے ساتھ زور سے مارا ہے، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اسے چھوڑ دو کیونکہ یہ بدبودار پکار ہے، عبداللہ بن ابی نے جب یہ سنا تو اس نے کہا: مہاجرین نے ایسے کیا ہے اللہ کی قسم اگر ہم مدینہ کی طرف لوٹیں گے تو ہم میں سے عزت والا آدمی العیاذ باللہ ذلت والے کو وہاں سے نکال دے گا!! حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول مجھے اجازت دیجئے کہ میں اس منافق کی گردن اڑا دوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسے چھوڑ دو لوگ یہ نہ کہنے لگ جائیں کہ محمد اپنے ساتھیوں کو قتل کرتے ہیں۔ [1]

3) تنازعات میں تحمل

باہمی اختلاف کا رونما ہونا اور اس کا لڑائی جھگڑے تک پہنچ جانا کوئی غیر معمولی بات نہیں ہے۔ جہاں انسان مل جل کر رہتے ہیں، مفادات کے اختلاف، مزاج کے اختلاف اور طبائع

---

[1] بخاری: 4907، مسلم: 2584

میں تنوع کی وجہ سے اختلاف رونما ہو جاتا ہے۔لیکن اس صورت میں اہل ایمان کو اپنا حقیقی رشتہ "اخوت اسلامی" یاد رکھنا چاہیے۔اور اختلافات کی صورت میں تحمل مزاجی کے ساتھ حل ڈھونڈنا چاہیے۔

دین اسلام نے تنازعات ختم کرنے کے لیے درج ذیل اصول دیئے ہیں۔

1) سب سے اول اور بنیادی چیز تو مذاکرات (Negotiations) ہیں۔اپنے آپ کو دوسرے کی جگہ پر رکھ دینا۔کہ اگر میں اس کی جگہ ہوتا تو میری سوچ کیا ہوتی۔ حَتّٰی يُحِبَّ لِأَخِيهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهِ [1]

میں یہ اصول واضح دیا گیا ہے کہ جو اپنے لئے پسند کرتے ہو وہی اپنے بھائی کے لیے پسند کرو، اس کے بغیر ایمان مکمل نہیں ہوتا۔

2) دوسرا حل مصالحت ہے۔(Mediation)، ایک تیسرا فریق عدل وانصاف کی بنیاد پر طرفین کی صلح کرائے۔

3) تیسرا حل زیادتی کرنے والے گروہ پر قانون، معاشرتی اور ہر طرح کا دباؤ ہے، تاکہ وہ ظلم وعدوان سے باز آئے۔

ہر ہر مرحلے میں عدل وانصاف کا دامن تھامنا ضروری ہے۔

اگر نزاعات کے بعد فریقین تحمل کا مظاہرہ نہیں کرتے اور کسی صورت صلح پر آمادہ نہیں ہوتے، تو ان کی نیکیاں خطرے میں ہوتی ہیں، جیسا کہ اس حدیث سے ظاہر ہوتا ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: " تُفْتَحُ أَبْوَابُ الْجَنَّةِ يَوْمَ الِاثْنَيْنِ وَيَوْمَ الْخَمِيسِ، فَيُغْفَرُ لِكُلِّ عَبْدٍ لَا يُشْرِكُ بِاللّٰهِ شَيْئًا، إِلَّا رَجُلًا كَانَتْ بَيْنَهُ وَبَيْنَ أَخِيهِ شَحْنَاءُ، فَيُقَالُ: أَنْظِرُوا هَذَيْنِ حَتَّى يَصْطَلِحَا،

---

[1] صحیح بخاری:13، مسلم:45

أَنْظِرُوا هَذَيْنِ حَتَّى يَصْطَلِحَا. أَنْظِرُوا هَذَيْنِ حَتَّى يَصْطَلِحَا ". [1]

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سوموار اور جمعرات کے دن جنت کے دروازوں کو کھول دیا جاتا ہے اور ہر اس بندے کی مغفرت کر دی جاتی ہے کہ جو اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراتا ہو سوائے اس آدمی کے جو اپنے بھائی کے ساتھ کینہ رکھتا ہو اور کہا جاتا ہے کہ ان دونوں کو مہلت دو یہاں تک کہ وہ صلح کر لیں، ان دونوں کو مہلت دو یہاں تک کہ وہ صلح کر لیں ان دونوں کا معاملہ مؤخر کر دو یہاں تک کہ وہ صلح کر لیں۔

4) مظاہرات میں تحمل

ہمارے ہاں سب سے زیادہ عدم برداشت کا اظہار اکثر احتجاجی ریلیوں اور مظاہروں میں ہوتا ہے، چاہے وہ مذہبی ہوں یا سیاسی، مظاہرات میں شریک افراد بالعموم کچھ ایسی نفسیات کے مریض بن جاتے ہیں، گویا ان پر کوئی ذمہ داری سرے سے عائد نہیں ہوتی۔ خون بہتے ہیں، بے گناہ قتل ہوتے ہیں، کھلم کھلا دشنام طرازی اور دوسروں کی عزت پر حملے کیے جاتے ہیں۔

اولاً تو مظاہرات کوئی پسندیدہ امر نہیں ہے، یہ مغربی تہذیب کا کلچر اور جمہوریت کا دین ہے۔ جمہوری ممالک میں یہ ایک جمہوری حق ہے، اسے مجبوراً استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں، بلکہ جہاں دین اور شرعی ضرورت ہو تو بسا اوقات یہ بہت ضروری ہو جاتے ہیں، کیونکہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر بعض دفعہ ان سے وابستہ ہو جاتا ہے۔

لیکن بہر صورت مسافروں کے ساتھ بدتمیزی، مریضوں سے تغافل، املاک کا نقصان، بے گناہ لوگوں پر تشدد، توڑ پھوڑ اور اس طرح کے غیر اخلاقی رویوں کی قطعاً اجازت نہیں دی جا سکتی۔

یہ بدتہذیبی، بداخلاقی اور غیر قانونی وغیر شرعی طریقۂ کار ہے۔ جس سے ہمیں ہر صورت اجتناب برتنا چاہیے۔

---

[1] صحیح مسلم:2565

مسلمان کے جان و مال کا احترام، اس کا اکرام اور تعظیم مظاہرات کے دوران مستثنیٰ نہیں ہوتا، نہ وہ تمام احادیث چند گھنٹوں کے لیے منسوخ ہو جاتی ہیں، نہ ظلم کرنا جائز ہوتا ہے اور نہ ہی مظاہرات میں شرکت نہ کرنے والے عدم شرکت کی وجہ سے کافر ہو جاتے ہیں!!

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمان عالیشان مظاہرات کے دوران بھی ہمیں یاد رہنا چاہیے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَحَاسَدُوا وَلَا تَنَاجَشُوا وَلَا تَبَاغَضُوا وَلَا تَدَابَرُوا وَلَا يَبِعْ بَعْضُكُمْ عَلَى بَيْعِ بَعْضٍ وَكُونُوا عِبَادَ اللَّهِ إِخْوَانًا الْمُسْلِمُ أَخُو الْمُسْلِمِ لَا يَظْلِمُهُ وَلَا يَخْذُلُهُ وَلَا يَحْقِرُهُ التَّقْوَى هَاهُنَا وَيُشِيرُ إِلَى صَدْرِهِ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ بِحَسْبِ امْرِئٍ مِنَ الشَّرِّ أَنْ يَحْقِرَ أَخَاهُ الْمُسْلِمَ كُلُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ حَرَامٌ دَمُهُ وَمَالُهُ وَعِرْضُهُ.[1]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تم لوگ ایک دوسرے پر حسد نہ کرو اور نہ ہی تناجش کرو (خریدنے کی نیت سے نہیں بلکہ محض بولی چڑھا کر دھوکہ دینے کے لیے بولی لگانا) اور نہ ہی ایک دوسرے سے بغض رکھو اور نہ ہی ایک دوسرے سے روگردانی کرو اور تم میں سے کوئی کسی کی بیع پر بیع نہ کرے اور اللہ کے بندے بھائی بھائی ہو جاؤ مسلمان مسلمان کا بھائی ہے وہ نہ اس پر ظلم کرتا ہے اور نہ اسے ذلیل کرتا ہے اور نہ ہی اسے حقیر سمجھتا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سینہ مبارک کی طرف اشارہ کرتے ہوئے تین مرتبہ فرمایا تقوی یہاں ہے کسی آدمی کے برا ہونے کے لئے یہی کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر سمجھے ایک مسلمان دوسرے مسلمان پر پورا پورا احرام ہے اس کا خون اور اس کا مال اور اس کی عزت و آبرو۔

---

[1] صحیح مسلم، 2564

5) پبلک مقامات پر تحمل

جہاں زیادہ افراد جمع ہو جائیں، وہاں ایک دوسرے سے معمولی مسئلہ ہو جانا کوئی بڑی بات نہیں، لیکن اگر تحمل اور برداشت سے کام نہ لیا جائے تو وہی چھوٹی سی بات بہت بڑے اختلاف کا پیش خیمہ ثابت ہوتی ہے۔

نماز جمعہ سے باہر نکلتے ہوئے، حج کے میدانوں میں، صفا مروہ کی سعی کرتے ہوئے، میدان عرفات آتے جاتے ہوئے بعض دفعہ انسان کا پیمانہ صبر لبریز ہو جاتا ہے، اسی طرح بس کے انتظار میں، ریلوے اسٹیشن پر، بل جمع کراتے ہوئے، ٹریفک جام ہونے کی صورت میں یا کسی بھی دفتر، ہسپتال وغیرہ میں قطار بناتے ہوئے معمولی جلد بازی اور بے صبری بسا اوقات بہت بڑے سانحے کا باعث بن جاتی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حج کے عظیم اجتماع پر صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے ارشاد فرما رہے تھے: ((أَيُّهَا النَّاسُ! اَلسَّكِينَةَ، اَلسَّكِينَةَ))

لوگو! آرام سے، آرام سے [1]

6) میاں بیوی کے اختلافات میں تحمل

اگر خدانخواستہ میاں، بیوی میں کسی طرح کے اختلافات پیدا ہو جائیں تو شوہر کو مایوس اور جذباتی نہیں ہونا چاہیے۔ علیحدگی کا بھی دل میں خیال نہیں لانا چاہیے، بلکہ صبر اور حوصلہ کے ساتھ دانائی اور ہوشمندی سے اختلافات دور کر لینے چاہیں، جو کام پیار اور محبت سے کیا جائے اسی کا انجام بہتر ہوگا۔

میاں، بیوی کے ضمیر کو جھنجوڑا جائے اور انہیں احساس دلایا جائے کہ وہ اپنی اولاد کے بارے میں اللہ سے ڈریں۔ اپنی انانیت اور ضد کو چھوڑ کر صلح و صفائی کی طرف آمادہ ہوں۔ اپنی

---

[1] صحیح مسلم: 1218

اغراض اور ضرورتوں کو اپنی اولاد پر قربان کر دیں۔ اس لئے کہ اولاد بچاری کا کیا قصور۔ آخر انہوں نے کیا گناہ کیا ہے کہ میاں، بیوی اپنی عداوت کی سزا انہیں دیں۔ معصوم بچوں کو صدمات سے دو چار کریں اور ان کا مستقبل برباد کریں۔

اس حوالے سے یہ احادیث مرد حضرات کو بالخصوص مدنظر رکھنی چاہئیں:

پہلی حدیث:

i۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "لَا يَفْرَكْ مُؤْمِنٌ مُؤْمِنَةً إِنْ كَرِهَ مِنْهَا خُلُقًا رَضِيَ مِنْهَا آخَرَ"[1]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کوئی مومن مرد کسی مومن عورت سے بغض نہ رکھے اگر کوئی ایک عادت اسے ناپسند ہوگی تو اس کی دوسری عادت سے خوش ہو جائے گا۔

ii۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ((إِنَّ الْمَرْأَةَ خُلِقَتْ مِنْ ضِلَعٍ لَنْ تَسْتَقِيمَ لَكَ عَلَى طَرِيقَةٍ فَإِنْ اسْتَمْتَعْتَ بِهَا اسْتَمْتَعْتَ بِهَا وَبِهَا عِوَجٌ وَإِنْ ذَهَبْتَ تُقِيمُهَا كَسَرْتَهَا وَكَسْرُهَا طَلَاقُهَا))[2]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا عورت کو پسلی کی ہڈی سے پیدا کیا گیا ہے اور تجھ سے کبھی سیدھی نہیں چل سکتی پس اگر تو اس سے نفع اٹھانا چاہتا ہے تو اٹھا لے اور اس کا ٹیڑھا پن اپنی جگہ قائم رہے گا اور اگر تو نے اسے سیدھا کرنا چاہا تو تو اسے توڑ دے گا اور اس کا توڑنا اسے طلاق دینا ہے۔

iii۔ ایک اہم بات یہ بھی مدنظر رہنی چاہیے کہ میاں بیوی کا حقیقی رشتہ تو بہر حال سکون، رحمت، مودت اور ہم آہنگی پر مبنی ہونا چاہیے، لیکن عارضی طور پر کسی مسئلہ میں بیوی سے تلخی ہو جانا،

[1] صحیح مسلم، کتاب الرضاع: 1469

[2] صحیح بخاری: 5184، صحیح مسلم: 1468

کوئی بعید بات نہیں، حوصلہ مند مردوں کو اپنی بیوی کی تلخی برداشت کرلیں چاہیے، ان کی مردانگی کا یہی تقاضا ہے۔ دیکھیے کائنات کی سب سے عظیم ہستی ہمارے پیارے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک مرتبہ ہماری ماں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کچھ خفا ہو کر بولنے لگیں، آواز اونچی ہوگئی، اتفاقاً جناب ابوبکر صدیق تشریف لائے، اپنی بیٹی کی اونچی آواز سنی، تو تھپڑ مارنے کے لیے جونہی پکڑا، خود اللہ کے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آگے بڑھ کر روک دیا، اور ہماری ماں صدیقہ کائنات سے کہا: دیکھو نا میں نے تمہیں کیسے بچالیا۔ [1]

اسی طرح خواتین کو ہمیشہ یاد رکھنا چاہیے:

1۔ مرد ان کے قوام ہیں، گھر کے انتظام میں ان کا وہی مقام ہے جو کسی بھی ادارے کو چلانے میں ایک منتظم اور Manager کا ہوتا ہے۔ ایک CEO اور ڈائریکٹر کا ہوتا ہے۔

2۔ دین اسلام کی نگاہ میں اگر کسی کو سجدہ کا حکم ہوتا، تو عورت کو حکم ہوتا کہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے۔ [2]

7) رشتہ داروں کے ساتھ معاملات میں تحمل

دنیا میں رشتوں ناطوں کو نبھانا، ان میں توازن برقرار رکھنا، اور شادی کے بعد اپنے نسبی اور سسرالی رشتوں کو ایک ساتھ لے کر چلنا یہ بڑے عزم وحوصلہ اور ہمت کا تقاضا کرتا ہے۔ یہاں قدم قدم پر پھسلن ہے، ہر ہر مرحلے پر کانٹے ہیں، ایک طرف یہ رشتے محبت کی معراج ہیں تو دوسری طرف نفرت وحسد کی انتہا، یہاں تو ہر ہر لمحے صبر وتحمل کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔

جہاں قرابتیں زیادہ ہوں وہاں اختلافات کے چانسز اور امکانات بھی زیادہ ہوتے ہیں اور فوری اتنا سخت ردعمل کہ میں تیرے جنازے پہ نہیں آؤں گا، میں تیری چارپائی کو ہاتھ بھی نہیں

---

[1] صحیح، ابوداؤد: 4999

[2] صحیح، جامع ترمذی: 1159

لگاؤں گا اور پوری زندگی کے لیے قسم تک اٹھا لینا، یہ ہمارے بڑے سخت رویے ہیں! درج ذیل حدیث مبارک پر غور فرمائیں:

۱: عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَجُلًا قَالَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِنَّ لِي قَرَابَةً أَصِلُهُمْ وَيَقْطَعُونِي وَأُحْسِنُ إِلَيْهِمْ وَيُسِيئُونَ إِلَيَّ وَأَحْلُمُ عَنْهُمْ وَيَجْهَلُونَ عَلَيَّ فَقَالَ لَئِنْ كُنْتَ كَمَا قُلْتَ فَكَأَنَّمَا تُسِفُّهُمُ الْمَلَّ وَلَا يَزَالُ مَعَكَ مِنَ اللّٰهِ ظَهِيرٌ عَلَيْهِمْ مَا دُمْتَ عَلَى ذَلِكَ [1]

سیدنا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے عرض کیا اے اللہ کے رسول میرے کچھ رشتہ دار ایسے ہیں جن سے میں تعلق جوڑتا ہوں اور وہ مجھ سے تعلق توڑتے ہیں، میں ان سے نیکی کرتا ہوں اور وہ مجھ سے برائی کرتے ہیں اور میں ان سے بردباری کرتا ہوں اور وہ مجھ سے بداخلاقی سے پیش آتے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تو واقعی ایسا ہی ہے جیسا کہ تو نے کہا ہے تو گویا کہ تو ان کو جلتی ہوئی راکھ کھلا رہا ہے اور جب تک تو ایسا ہی کرتا رہے گا اللہ کی طرف سے ایک مددگار ان کے مقابلے میں تیرے ساتھ رہے گا۔

جب بھی آپ اقرباء سے پریشان ہوں، اس حدیث کو پڑھ لیا کریں۔

ہم سب کی زندگیاں غلطیوں سے بھری ہوئی ہیں۔ اگر ہم برداشت نہیں کریں گے تو ہمارے سارے رشتے ٹوٹ جائیں گے، برداشت کے بغیر اس کا کوئی حل نہیں ہے۔ آیئے آج سے ہی برداشت کرنا شروع کر دیں۔ اللہ توفیق دے۔

رشتوں میں سب سے نازک اور حساس رشتے، ساس، بہو، نند اور بھاوج کے ہوتے ہیں۔ اب جبکہ خون کے رشتوں میں بھی سرد مہری آ چکی ہے، تو ان رشتوں میں تناؤ کی کیفیت کیا ہو چکی ہوگی!!! اس حوالے سے بھی درج بالا احادیث ہمارے لیے مشعل راہ ہیں۔

---

[1] صحیح مسلم:2558

ہمارے یہاں زیادہ تر گھرانے ایسے ہیں جہاں ان رشتوں کے درمیان بالخصوص تلخی و ترشی پائی جاتی ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ ہمارے معاشرے میں اضطراب، انتشار اور بے چینی کی ایک بڑی اور اہم وجہ ان رشتوں کی تلخیاں ہیں تو غلط نہ ہوگا۔ اگر ہم ان رشتوں میں تحمل، برداشت اور حکمت سے کام لیں تو بہت سے گھمبیر مسائل پر قابو پایا جا سکتا ہے۔

ہم صرف باہمی رنجشیں اور رقابتیں ہی نہیں پال رہے، ظلم کی انتہا تو یہ ہے بعض لوگ ان رشتوں کی تلخیوں میں اپنے معصوم بچوں کی حسرتوں اور محبتوں کے بھی قاتل بن جاتے ہیں۔ خدارا برداشت کی کم از کم حد یہ تو ضرور ہونی چاہیے کہ ہم اپنے اختلافات کی بھٹی میں اپنی نسلوں کو نہ جھونکیں اور ان کے شفاف ذہنوں کو آلودہ کرنے سے گریز کریں۔ اس سے ان کی ساخت، نفسیات اور اخلاقیات پر بہت منفی اور تاریک اثرات مرتب ہوتے ہیں۔

8) نوکر اور ماتحت ملازمین کے ساتھ تحمل

ہمارے ماتحت افراد، مثلاً باورچی، خادم، ڈرائیور، خاکروب، حجام اور دیگر گھریلو ملازمین، اسی طرح کسی دفتر میں ماتحت عملہ، بالخصوص درجہ چہارم سے وابستہ ملازمین، یہاں ہمارے صبر و تحمل کا اصل امتحان ہوتا ہے۔ اور یہی لوگ ہمارے حسن اخلاق کا بھی ایک کڑا پیمانہ ہوتے ہیں۔ اس حوالے سے یہ حدیث بہت نصیحت آموز ہے۔

عَنِ الْمَعْرُورِ، قَالَ: لَقِيتُ أَبَا ذَرٍّ بِالرَّبَذَةِ وَعَلَيْهِ حُلَّةٌ، وَعَلَى غُلَامِهِ حُلَّةٌ، فَسَأَلْتُهُ عَنْ: ذَلِكَ، فَقَالَ: إِنِّي سَابَبْتُ رَجُلًا فَعَيَّرْتُهُ بِأُمِّهِ، فَقَالَ لِي النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "يَا أَبَا ذَرٍّ، أَعَيَّرْتَهُ بِأُمِّهِ؟ إِنَّكَ امْرُؤٌ فِيكَ جَاهِلِيَّةٌ. إِخْوَانُكُمْ خَوَلُكُمْ، جَعَلَهُمُ اللَّهُ تَحْتَ أَيْدِيكُمْ، فَمَنْ كَانَ أَخُوهُ تَحْتَ يَدِهِ فَلْيُطْعِمْهُ مِمَّا يَأْكُلُ، وَلْيُلْبِسْهُ مِمَّا يَلْبَسُ، وَلَا تُكَلِّفُوهُمْ مَا يَغْلِبُهُمْ، فَإِنْ كَلَّفْتُمُوهُمْ

فَأَعِينُوهُمْ "[1]

معرور کہتے ہیں کہ میں نے ابوذر (رضی اللہ عنہ) سے (مقام) ربذہ میں ملاقات کی اور ان کے جسم پر جس قسم کا تہبند اور چادر تھا اسی قسم کی چادر اور تہبند ان کے غلام کے جسم پر تھا، میں نے ابوذر (رضی اللہ عنہ) سے اس کا سبب پوچھا تو وہ کہنے لگے کہ میں نے ایک شخص کو (جو میرا غلام تھا) گالی دی یعنی اس کو ماں کا کوئی طعنہ دیا تھا، یہ خبر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پہنچی تو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے (مجھ سے) فرمایا کہ اے ابوذر! کیا تم نے اسے اس کی ماں کا طعنہ دیا ہے، تم ایسے آدمی ہو کہ (ابھی) تم میں جاہلیت (کا اثر باقی) ہے تمہارے غلام تمہارے بھائی ہیں، ان کو اللہ نے تمہاری ماتحتی میں دیا ہے، جس شخص کا بھائی اس کے ماتحت ہو اسے چاہئے کہ جو خود کھائے اس کو بھی کھلائے اور جو خود پہنے وہی اس کو پہنائے اور (دیکھو) اپنے غلاموں سے اس کام کا نہ کہو جو ان پر شاق ہو اور اگر ایسے کام کی ان کو تکلیف دو تو خود بھی ان کی مدد کرو۔

9) خوشی اور غمی کے مواقع پر صبر و تحمل

اللہ تبارک وتعالیٰ خوشی اور غمی دے کر بندوں کو آزماتا ہے۔ ماضی میں بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو اس حوالے سے امتحان میں ڈالا ہے۔ اب بھی ڈال رہا ہے اور قیامت تک ابتلاء کا سلسلہ جاری رکھے گا۔ ہماری دنیا کا کوئی بھی انسان ایسا نہیں جو دو حالتوں سے نہ گزرتا ہو۔ یا تو نعمتوں اور خوشیوں سے نہال کر دیا جاتا ہے یا نعمتیں چھین کر غمی، افسردگی، محرومی اور کسمپرسی کی حالت سے دوچار ہو جاتا ہے۔ یہ سلسلہ ازل میں شروع ہوا تھا ابد تک جاری رہے گا۔ اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں واضح کر چکا ہے کہ وہ انسانوں کو بدی اور بھلائی کی آزمائش میں ڈالتا رہے گا۔ کبھی خوشی ملے گی، کبھی غم ملے گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا خوب فرمایا ہے:

---

[1] صحیح بخاری:30،صحیح مسلم:1661

"عَجَبًا لِأَمْرِ الْمُؤْمِنِ، إِنَّ أَمْرَهُ كُلَّهُ خَيْرٌ، وَلَيْسَ ذَاكَ لِأَحَدٍ إِلَّا لِلْمُؤْمِنِ: إِنْ أَصَابَتْهُ سَرَّاءُ شَكَرَ فَكَانَ خَيْرًا لَهُ، وَإِنْ أَصَابَتْهُ ضَرَّاءُ صَبَرَ فَكَانَ خَيْرًا لَهُ". [1]

حضرت صہیب سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مومن آدمی کا بھی عجیب حال ہے کہ اس کے ہر حال میں خیر ہی خیر ہے اور یہ بات کسی کو حاصل نہیں سوائے اس مومن آدمی کے کہ اگر اسے کوئی تکلیف بھی پہنچی تو اسے نے شکر کیا تو اس کے لئے اس میں بھی ثواب ہے اور اگر اسے کوئی نقصان پہنچا اور اس نے صبر کیا تو اس کے لئے اس میں بھی ثواب ہے۔

لیکن افسوس کہ کہ ہمارے معاشرے میں اسلامی تربیت بہت حد تک مفقود ہے۔ کرکٹ میچ جیتنے کی خوشی یا شادی بیاہ کی، بالعموم خوشیوں میں ہم رب تعالیٰ کو بھول جاتے ہیں۔ اور شیطان کو خوش کرتے ہیں۔ بالخصوص الیکشن جیتنے کے بعد اور شادی بیاہ کے موقع پر ہمارے جشن کفران نعمت کے آئینہ دار ہوتے ہیں۔

اسی طرح غم والم میں بھی ہم صبر وتحمل کھو بیٹھتے ہیں۔

10) تعلیم میں تحمل

تعلیم وتدریس کے مقدس فریضہ میں جس قدر علم کی ضرورت ہے، اسی قدر بلکہ اس سے شاید بڑھ کر حلم اور حکمت کی حاجت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جو بھی نبی مبعوث فرمایا اسے صفت حلم سے وافر حصہ عطا فرمایا۔ تحمل اور بردباری، علم کی زینت ہے۔ امام ابن القیم رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''جس عالم اور مفتی کے پاس تحمل کی نعمت نہیں، اس کی مثال ایسے بدن کی مانند ہے جو لباس سے عاری ہو''۔ [2]

---

[1] صحیح مسلم، کتاب الزہد والرقائق: 2999

[2] اعلام الموقعین: 4/153

4۔فقہی اختلافات میں تحمل اور برداشت

ہمارے ہاں بین المسالک بلکہ ایک ہی مسلک میں فقہی اختلافات کی بنیاد پر عدم برداشت کے رویئے قابل افسوس حد تک پروان چڑھ چکے ہیں۔جس کی بناء پر امت کا شیرازہ بری طرح بکھر چکا ہے اس لیے اس موضوع پر کچھ زیادہ تفصیل کی ضرورت ہے تا کہ اختلافات میں رواداری اور برداشت کے حوالے سے اسلامی تعلیمات کی روشنی میں ہم اپنے رویئے درست کر سکیں۔

فقہی اختلافات کی دو قسمیں ہیں

1)فقہی اجتہادی اختلافات۔

۲)فقہی انحرافی اختلافات۔

فقہی اجتہادی اختلافات سے مراد

فقہی اجتہادی اختلافات سے مراد ایسے مسائل میں اختلافات جن میں دلائل کا تعارض ہو،دونوں طرف نصوص ہوں یا دونوں طرف قیاس جلی ہو۔پھر خواہ عام خاص کا مسئلہ ہو یا مطلق مقید کا۔

اسے ”فقہی اجتہادی اختلافات“ کہتے ہیں۔

فقہی انحرافی اختلافات سے مراد

متفق علیہ،اجماعی فقہی مسائل میں شذوذ کی راہ اپنانا،یا قرآن وسنت کی نصوص سے منحرف ہونا۔

اسے ”فقہی انحرافی اختلاف“ کہلاتے ہیں۔

اس طرح کے اختلافات بالعموم بدنیتی،خواہش پرستی،دنیا پرستی اور مفادات کی خاطر رونما ہوتے ہیں،درحقیقت یہ قابل اعتبار اور لائق اعتناء اختلافات ہوتے ہی نہیں،یہ تو

شذوذات، انحرافات اور فکری گمراہیاں ہوتی ہیں۔

ہمارے موضوع کے متعلقہ پہلی قسم "فقہی اجتہادی اختلافات" ہیں۔

اس حوالے سے چند بنیادی آداب یہ ہیں، انہیں "ادب الخلاف" کہتے ہیں:

1) جلد بازی سے اجتناب اور مسئلہ کی نزاکت کا احساس۔

2) "لَا أَدْرِیْ" کہنا سیکھیں۔

3) فریقِ مخالف کی رائے کا احترام۔

4) اختلاف کے باوجود اخوت اسلامی رشتہ قائم رکھیں۔

5) کبار اہل علم کو خصوصی احترام دیں اور ان کی غلطیاں اچھالنے سے گریز کریں۔

6) مسلسل غور وفکر اور حق کی طرف رجوع۔

7) حسن ظن۔

8) فریقِ مخالف کی اقتداء میں نماز۔

9) فقہیات میں ذاتیات کو ملوث نہ کرنا۔

10) مذہبی، مسلکی، تنظیمی اور سیاسی تعصبات سے بالاتر رہنا۔

11) اظہار اختلاف میں مہذب الفاظ اور نرم تعبیرات اختیار کرنا۔

12) دُعا کا اہتمام۔

1) جلد بازی سے اجتناب اور مسئلہ کی نزاکت کا احساس

سلف صالحین کی تحمل مزاجی اور ٹھہراؤ کا نتیجہ تھا کہ وہ کسی بھی پیش آمدہ فقہی مسئلے میں جلد بازی سے کام نہیں لیتے تھے، بلکہ ان پہ ایک عجیب کیفیت طاری ہوجاتی، ان کے محسوسات یہ ہوتے کہ: "یہ فقہی مسئلہ اللہ کے دین کا مسئلہ ہے"۔

ا: سیدنا عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((أَدْرَكْتُ عِشْرِينَ وَمِائَةً مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللهِ - صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ -

أَرَاهُ قَالَ: فِي الْمَسْجِدِ، فَمَا كَانَ مِنْهُمْ مُحَدِّثٌ إِلَّا وَدَّ أَنَّ أَخَاهُ كَفَاهُ الْحَدِيثَ، وَلَا مُفْتٍ إِلَّا وَدَّ أَنَّ أَخَاهُ كَفَاهُ الْفُتْيَا))

میں نے ایک سو بیس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو پایا، ان میں سے ہر محدث کی خواہش ہوتی کہ اس کے علاوہ کوئی دوسرا حدیث سنا دے، اور ہر فقیہہ کی چاہت ہوتی کہ اسے فتویٰ نہ ہی دینا پڑے کوئی اور صاحب اس کی جگہ فتویٰ دے دے۔[1]

اس حوالے سے ایک اہم بات یہ ہے کہ ہر مسئلہ میں رائے زنی نہ کریں۔ دیکھا گیا ہے کہ بعض احباب علم فقہ میں دسترس رکھتے ہیں اصول حدیث میں کمزور ہیں، لیکن اس میں بھی اپنی ''فاضلانہ'' رائے دینے سے نہیں چوکتے۔ اسی طرح بعض لوگ علم حدیث کے متخصص ہیں لیکن جدید تحریکی ضروریات اور عصری تحدیات و مسائل سے پوری طرح آگاہ نہیں ہوتے، تو انہیں ایسے مسائل میں خاموشی اختیار کرنی چاہیے۔

۲: ہمارے شیخ محترم حافظ محمد شریف حفظہ اللہ نے بھی ایک مرتبہ نصیحت فرمائی تھی کہ کچھ لوگ ہر ہر مسئلے میں رائے دینا ضروری کیوں سمجھتے ہیں؟

۳: سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں: ((كُلُّ مَنْ أَفْتَى النَّاسَ فِي كُلِّ مَا يَسْئَلُوْنَهُ عَنْهُ لَمَجْنُوْنٌ)) جو لوگوں کو ہر مسئلہ میں فتویٰ دیتا رہتا ہے، یقیناً پاگل ہوتا ہے۔[2]

۴: سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی ایسے ہی مروی ہے۔[3]

۵: امام سحنون رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''أَجْرَءُ النَّاسِ عَلَى الْفُتْيَا أَقَلُّهُمْ عِلْمًا'' جو جتنا زیادہ کم علم ہو، اسی قدر فتویٰ دینے میں جرأت مند ہوتا ہے۔[4]

---

[1] إعلام الموقعين 371

[2] موطا مالک، بحوالہ: إعلام الموقعين، 1/ 28

[3] سنن دارمی، مقدمہ، 272

[4] إعلام، 1/ 28

٦: امام ابن القیم رحمہ اللہ اس قول پر تعلیق لگاتے ہوئے فرماتے ہیں: ''کبھی فتوی میں جرأت کم علمی کی وجہ سے ہوتی ہے اور کبھی وسعت مطالعہ اور کثرت علم کی وجہ سے بھی ہوتی ہے۔''

٧۔ جلد بازی سے اجتناب کس قدر ضروری ہے، اس کا کچھ اندازہ درج ذیل حدیث سے بھی ہوتا ہے:

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((أَصَابَ رَجُلًا جُرْحٌ فِي عَهْدِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، ثُمَّ احْتَلَمَ، فَأُمِرَ بِالِاغْتِسَالِ، فَاغْتَسَلَ فَمَاتَ، فَبَلَغَ ذَلِكَ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: "قَتَلُوهُ قَتَلَهُمُ اللهُ، أَلَمْ يَكُنْ شِفَاءُ الْعِيِّ السُّؤَالَ؟".

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں ایک صحابی زخمی ہو گیا۔ اسے احتلام ہو گیا، اس نے اپنے ساتھیوں سے پوچھا: کیا مجھے تیمم کی رخصت ہے؟ انہوں نے کہا: نہیں، اس بیچارے نے غسل کیا، فوت ہو گیا۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معلوم ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''انہوں نے اس کو مار دیا اللہ ان کو مارے، اگر مسئلے کا علم نہیں تھا تو کیا اس کا یہ حل نہیں تھا کہ یہ کسی اور سے پوچھ لیتے؟''۔ [1]

2۔ علم و تحقیق کے بغیر مسئلہ نہ بتائیں

ا۔ امام ابن القیم رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ((وَقَدْ حَرَّمَ اللهُ الْقَوْلَ عَلَيْهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ فِي الْفُتْيَا وَالْقَضَاءِ، وَجَعَلَهُ مِنْ أَعْظَمِ الْمُحَرَّمَاتِ، بَلْ جَعَلَهُ فِي الْمَرْتَبَةِ الْعُلْيَا مِنْهَا))

کسی کو بغیر علم کے کوئی بھی فتوی یا فیصلہ رب تعالیٰ کی طرف منسوب کر کے بتا دینا صرف

[1] صحیح، ابوداود 337، ابن ماجہ 572

کبیرہ نہیں بلکہ اللہ نے اسے کبائر میں سے بھی بڑا گناہ کہا ہے، گویا یہ ''اکبر الکبائر'' میں سے ہے! دلیل کے طور پر یہ آیت مبارکہ پیش کرتے ہیں: ((قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّیَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْاِثْمَ وَالْبَغْیَ بِغَیْرِ الْحَقِّ وَاَنْ تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ یُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَی اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ)) [1]

کہہ دو میرے رب نے بے حیائی کی باتوں کو حرام کیا ہے خواہ وہ علانیہ ہوں یا پوشیدہ، اور ہر گناہ کو اور ناحق کسی پر ظلم کرنے کو بھی، اور یہ کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہراؤ جس کی اس نے کوئی دلیل نازل نہیں کی، اور یہ کہ اللہ پر وہ باتیں کہو جو تم نہیں جانتے۔

امام ابن القیم رحمہ اللہ اس آیت مبارکہ سے استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں: اللہ رب العزت نے اس آیت مبارکہ میں چار بڑے بڑے گناہ بتائے ہیں اور ترتیب صعودی کے ساتھ بتائے ہیں: پہلے چھوٹا گناہ، پھر اس سے بڑا گناہ، پھر اس سے بڑا گناہ اور پھر اس سے بھی بڑا گناہ ذکر کیا ہے۔

پہلا گناہ: '' ظاہری، باطنی فواحش'' تمام قسم کے فحش (بے حیائی والے) کام اللہ تعالیٰ نے حرام کیے ہیں۔

دوسرا اس سے بڑا: ''وَالْاِثْمَ وَالْبَغْیَ بِغَیْرِ الْحَقِّ'' گناہ، ظلم و زیادتی، عدوان، حقوق کا استحصال کرنا۔

تیسرا اس سے بڑا: ''وَاَنْ تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ'' یہ کہ تم اللہ کے ساتھ شرک کرو۔

چوتھا گناہ اس سے بھی بڑا: ''وَاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَی اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ'' اللہ کے متعلق وہ کچھ کہو جو تم نہیں جانتے۔ [2]

وہ مزید فرماتے ہیں:

---

[1] سورۃ الأعراف: 33

[2] إعلام الموقعین، 1/38

کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء واقوال، صفات الٰہیہ میں اپنی طرف سے باتیں کہنا، الحاد بھی اس کے اندر آ جاتا ہے اور اسی طرح یہ چیز بھی آ جاتی ہے کہ اللہ کے دین وشریعت میں انسان ایسے مسئلے کی نسبت کرے جس کے بارے میں اسے کوئی علم نہ ہو؛ کیونکہ سوال کرنے والا جب ایک داعی اور مفتی سے پوچھنے آتا ہے یہی کہہ رہا ہوتا ہے کہ اللہ کی منشا کیا ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فیصلہ کیا ہے؟ شریعت اسلامیہ کیا کہتی ہے؟ اگر کوئی شخص صاحب علم نہیں اور اس نے مسئلہ بتا دیا تو اس نے ایک کبیرہ گناہ کا ارتکاب کیا کیونکہ اس نے بغیر قرآن وسنت کو دلیل بنائے اپنی طرف سے "هٰذَا حَلَالٌ وَ هٰذَا حَرَامٌ" والی کیفیت اپنائی، یہ گناہ اس صورت میں جب وہ مسئلہ صحیح بتائے۔ جبکہ اگر کسی شخص سے مسئلہ پوچھا گیا جو صاحب علم نہیں تھا اور اس نے مسئلہ بتا دیا اور بتایا بھی غلط تو وہ ایک کبیرہ گناہ کے ساتھ دوسرے کبیرہ گناہ "إِضْلَال" دوسروں کو گمراہ کرنے کا بھی مرتکب ہوا ہے۔ [1]

ii۔ اسی قسم کے لوگوں کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

" إِنَّ اللّٰهَ لَا يَقْبِضُ الْعِلْمَ انْتِزَاعًا يَنْتَزِعُهُ مِنَ الْعِبَادِ، وَلٰكِنْ يَقْبِضُ الْعِلْمَ بِقَبْضِ الْعُلَمَاءِ، حَتّٰى إِذَا لَمْ يُبْقِ عَالِمًا اتَّخَذَ النَّاسُ رُءُوسًا جُهَّالًا، فَسُئِلُوا فَأَفْتَوْا بِغَيْرِ عِلْمٍ، فَضَلُّوا وَأَضَلُّوا ". [2]

سیدنا عبداللہ بن عمرو بن عاص (رضی اللہ عنہ) کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالیٰ علم کو اس طرح نہیں اٹھائے گا کہ بندوں (کے سینوں سے) نکال لے بلکہ علماء کو موت دیکر علم کو اٹھائے گا، یہاں تک کہ جب کوئی عالم باقی نہ رہے گا تو لوگ جاہلوں کو سردار بنالیں گے اور ان سے (دینی مسائل) پوچھے جائیں گے اور وہ بغیر علم کے فتوے دیں گے خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔

---

[1] إعلام الموقعین 1/38

[2] صحیح البخاری 100

"فَضَلُّوا وَاَضَلُّوا" خود تو گمراہ تھے ہی، ان جاہلوں نے دوسروں کو بھی گمراہ کر دیا۔

iii۔ امام احمد رحمہ اللہ کے بیٹے کہتے ہیں: ((كُنْتُ أَسْمَعُ أَبِيْ كَثِيْرًا يُسْأَلُ عَنِ الْمَسَائِلِ، فَيَقُوْلُ: ((لَا أَدْرِيْ)) امام احمد رحمہ اللہ کے بارے میں ان کے بیٹے کہتے ہیں: اختلافی مسائل میں اس کثرت سے "لَا أَدْرِيْ" کہتے تھے کہ ہم شمار بھی نہیں کر سکتے۔ [1]

iv۔ امام سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ کے بارے فرماتے تھے کہ: "مَا رَأَيْتُ فِي الْفَتْوٰى أَحْسَنُ فُتْيًا مِنْهُ. كَانَ أَهْوَنَ عَلَيْهِ أَنْ يَّقُوْلَ: لَا أَدْرِيْ" میں نے امام سفیان جیسا بہترین مفتی نہیں دیکھا، لیکن ان کے لیے بھی "لَا أَدْرِيْ" کہنا بہت معمولی بات تھی۔ [2]

v۔ امام عبدالرحمٰن بن مہدی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں:

ہم امام مالک رحمہ اللہ کے پاس بیٹھے تھے ((فَجَاءَ الرَّجُلُ)) ایک آدمی آیا، اس نے کہا: "جِئْتُكَ مِنْ مَسِيْرَةِ سِتَّةِ أَشْهُرٍ" چھ مہینے کا فاصلہ طے کر کے آپ کے پاس ایک مسئلہ پوچھنے آیا ہوں، اہل علاقہ نے آپ کی شخصیت پر اعتبار کرتے ہوئے مجھے آپ کی طرف روانہ کیا ہے، امام مالک رحمہ اللہ نے اجازت دی پوچھیے کیا مسئلہ ہے؟ اس نے مسئلہ پوچھا۔ امام مالک رحمہ اللہ فرمانے لگے: "لَا أُحْسِنُهَا" اس مسئلے کا مجھے اچھی طرح علم نہیں ہے۔ سائل نے کہا: چھ مہینے کا میرا فاصلہ، قوم کا اعتماد، میری مشقتیں، میں آپ سے پوچھنے آیا بیٹھا ہوں، اور آپ کہتے ہیں مجھے علم نہیں "مَاذَا أَقُوْلُ لَهُمْ" میں واپس جا کر ان کو کیا جواب دوں گا؟ امام مالک رحمہ اللہ بڑے سادہ انداز میں بڑا عجیب جواب دیتے ہیں "تَقُوْلُ لَهُمْ قَالَ مَالِكٌ: "لَا أُحْسِنُ" ان کو جا کر کہنا مالک کہتا تھا کہ یہ مسئلہ مجھے نہیں آتا۔ [3]

vi۔ امام ابن سیرین رحمہ اللہ کے بارے میں آتا ہے: ((كَانَ إِذَا سُئِلَ عَنِ الْحَلَالِ

---

[1] إعلام الموقعين 1/ 27

[2] أيضا

[3] جامع بيان العلم وفضله 2/ 117

وَ الْحَرَامِ تَغَیَّرَ لَوْنُهُ وَ تَبَدَّلَ)) جب ان سے حلال وحرام کا کوئی مسئلہ پوچھا جاتا تو ان کا رنگ فق ہو جاتا۔[1]

vii۔ محمد بن منکدر رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ((اَلْفَقِیْهُ یَدْخُلُ بَیْنَ اللهِ وَ بَیْنَ عِبَادِهٖ فَلْیَنْظُرْ کَیْفَ یَدْخُلُ؟)) ایک مفتی اور فقیہ آدمی اللہ اور اللہ کے بندوں کے درمیان ایک طرح سے حصول علم کا ایک واسطہ ہوتا ہے اسے سوچنا چاہیے کہ وہ کس طرح سے شریعت میں داخل ہو رہا ہے؟ اور کس انداز میں مسئلہ بیان کر رہا ہے؟[2]

viii: سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا زریں قول

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایک موقع پر کہا تھا

((یَا أَیُّهَا النَّاسُ مَنْ عَلِمَ شَیْئًا فَلْیَقُلْ بِهٖ، وَمَنْ لَمْ یَعْلَمْ فَلْیَقُلْ: اللّٰهُ أَعْلَمُ. فَإِنَّ مِنَ الْعِلْمِ أَنْ یَقُولَ لِمَا لَا یَعْلَمُ: اللّٰهُ أَعْلَمُ؛ قَالَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ لِنَبِیِّهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: {قُلْ مَا أَسْأَلُکُمْ عَلَیْهِ مِنْ أَجْرٍ وَمَا أَنَا مِنَ الْمُتَکَلِّفِیْنَ}.

جسے علم ہو وہ اپنے علم کے مطابق مسئلہ بتادے اور جسے علم نہ ہو وہ کہہ دے "اللّٰهُ أَعْلَمُ" اللہ ہی جانتا ہے میں نہیں جانتا اور پھر وہ اس آیت مبارکہ کی تلاوت کرتے کہ اللہ نے تو اپنے پیغمبر سے بھی کہا ہے کہ تم بھی لوگوں سے اپنے علم کے حوالے سے کہہ دو {مَا أَنَا مِنَ الْمُتَکَلِّفِیْنَ} کہ میں تکلف کر کے کسی مصنوعی طریقے سے کسی چیز کا اظہار نہیں کرسکتا۔[3]

نوٹ:

یہاں پر میں عرض کرنا چاہوں گا کہ ہمارے ہاں اس حوالے سے بہت زیادہ بے احتیاطی

---

[1] سیر أعلام النبلاء ۴/۲۰۶

[2] حلیۃ الأولیاء

[3] صحیح البخاری: 4809

پائی جاتی ہے خصوصا سوشل میڈیا، واٹس ایپ، ٹویٹر، فیس بک، اور جب سے ان دس انگلیوں کے نیچے پورا جہاں آیا ہے اس سے علم کے خزانے عام ہو گئے ہیں اور علم کی چابیاں جاہلوں کے پاس بھی آ گئی ہیں، استفادہ کرنے والے وہ لوگ ہیں جن کے پاس نہ اسلاف والا تقوی، نہ وہ رسوخ اور نہ وہ پختگی۔ محض نیٹ کو کلک کیا اور اوپر اسکی سکرین پر جو مسئلہ آ گیا اس کے مطابق بتا دیا، کاپی پیسٹ کر دیا انتہاء درجے کی بے احتیاطی ہے جو ہمارے معاشرے میں پائی جاتی ہے!

3۔ مخالف کی رائے کا احترام کریں

اجتہادی اختلاف کے حوالے سے تیسرا نکتہ جو سلف صالحین کا منہج اور تعامل تھا کہ وہ اجتہادی اختلافات میں ایک دوسرے کی رائے کا احترام کرتے تھے کیونکہ مسئلہ اجتہادی نوعیت کا ہے اور اس میں اپنے آپ کو حرف آخر نہیں سمجھنا چاہیے نصوص سے کام لیتے ہوئے بہت سے اصول مدنظر رکھے جاتے ہیں، اپنی سابقہ معرفت کو بنیاد بنایا جاتا ہے، کسی مسئلہ میں قیاس سے کام لیا جاتا ہے کہیں فقہ الواقع سے کام لیا جاتا ہے اور کہیں مصالح کو دیکھا جاتا ہے، تو انسان ہونے کے ناطے اجتہادی مسائل کے اندر اور خصوصا نئے پیش آمدہ مسائل کے اندر غلطی کا امکان موجود رہتا ہے۔

جب دوسرے شخص کے پاس بھی استدلالات ہوں، جو ہم سے متضاد رائے رکھتا ہے اس کے پاس بھی نص موجود ہو اور اس سے استفادہ کی نوعیت میں فرق ہو رہا ہو، تو اس صورت میں دوسرے کی رائے کو بالکل رد کر دینا اور اپنے آپ کو سب سے بڑا علّامہ اور حرف آخر سمجھنا سلف صالحین کا طرز عمل بالکل نہیں تھا۔

سیّدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:: ((لَا يُصَلِّيَنَّ أَحَدٌ الْعَصْرَ إِلَّا فِي بَنِي قُرَيْظَةَ)) کہ تم میں سے کوئی شخص بنو قریظہ میں جائے بغیر

نماز عصر نہ پڑھے۔[1]

عبارت ایک ہے، نص ایک ہے، حدیث بھی ایک ہے۔ موقع ومحل بھی ایک، مخاطب لوگ بھی عربی اور صحابی، اس سب کے باوجود ان کے دو گروہ ہو گئے، دو فہم ہو گئے، دونوں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ ہیں، دونوں نے اللہ کو رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حدیث براہ راست سنی پھر بھی فہم کے اندر اختلاف پیدا ہو گیا۔

تعبیر کرتے ہوئے ایک گروہ نے اس کی فلاسفی کو دیکھا ہے اور کہا: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مطلب یہ تھا کہ جلدی جانا ہے اور اتنی جلدی کرنی ہے کہ عصر کی نماز وہاں جا کر پڑھو۔

دوسرے فریق نے کہا: آپ کے الفاظ گرامی ہیں کہ بنو قریظہ کے علاوہ کہیں نماز نہیں پڑھنی عصر کی نماز کا وقت جاتا ہے تو جائے۔ ہم تو آپ کے الفاظ کی پابندی کریں گے نماز پڑھیں گے تو وہیں جا کر پڑھیں گے۔

اب چونکہ دونوں کے پاس نص موجود ہے البتہ دونوں کا منہج استدلال مختلف ہو گیا۔ دونوں کی نیت میں بھی بالکل شک وشبہ نہیں کیا جا سکتا تو واضح طور پر حدیث میں الفاظ آتے ہیں: ((لَمْ يُعَنِّفْ وَاحِدًا مِنْهُمْ))([2])

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان میں سے کسی کو بھی ڈانٹ نہیں پلائی، نہ Condemn کیا اور نہ مذمت کی کہ تم نے ایسا کیوں کیا اور تم نے ایسا کیوں نہیں کیا؟؛ کیونکہ اجتہادی نوعیت کا مسئلہ تھا اور دونوں نص سے ہی استدلال کر رہے تھے۔

4۔ اختلاف کے باوجود اخوت اسلامی کا رشتہ قائم رکھیں

سلف صالحین کے منہج میں یہ چیز بھی شامل تھی کہ اختلاف کے باوجود اسلامی اخوت ومحبت کا

---

[1] صحیح البخاری: ۹۴۶، صحیح مسلم: ۱۷۷۰

[2] صحیح البخاری: ۹۴۶، صحیح مسلم: ۱۷۷۰

رشتہ ان کے درمیان پوری طرح برقرار رہتا۔اس کی چند مثالیں مطالعہ فرمائیں:

i۔سیّدُ نا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اس بات کے قائل تھے کہ رکوع کے درمیان ہاتھوں کو گھٹنوں پر نہیں رکھنا دونوں ہاتھوں کی انگلیاں جوڑ کے انہیں گھٹنوں کے درمیان رکھ لینا، جس کو ''تطبیق'' کہا جاتا ہے، حالانکہ ان کا یہ موقف فقہی حوالے سے مرجوح ہے اس کے قائل صرف سیّدُ نا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما ہی تھے بلکہ وہ اپنے شاگردوں کو گھٹنوں پر ہاتھ رکھنے سے روکتے، تطبیق کرواتے اور وضاحت فرماتے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بچشم خود ایسے ہی دیکھا ہے [1]

ان کے بالکل برعکس سیّدنا سعد رضی اللہ عنہ کے بیٹے نے جب رکوع کی حالت میں تطبیق کی کیفیت اختیار کی تو انہوں نے کہا! بیٹا! ((اِضْرِبْ بِكَفَّيْكَ عَلٰى رُكْبَتَيْكَ)) اپنی ہتھیلیوں کو گھٹنوں پر رکھو۔ ایک دفعہ دوبارہ بیٹے نے گھٹنوں کے درمیان رکھے، تو اپنے بیٹے کے ہاتھوں پر ضرب لگائی اور کہا: ((إِنَّا نُهِينَا عَنْ هٰذَا)) ہمیں اس سے منع کر دیا گیا تھا ((وَ أُمِرْنَا أَنْ نَضْرِبَ بِالْأَكُفِّ عَلَى الرُّكَبِ)) اور بعد میں ہمیں ہتھیلیوں کو گھٹنوں پر رکھنے کا حکم دیا گیا تھا۔ [2]

اس سے واضح معلوم ہوتا ہے کہ جناب ابن مسعود ایک منسوخ حکم پر عمل پیرا تھے۔ اور سیّدنا سعد رضی اللہ عنہ کو ناسخ کا علم تھا۔

اس قدر سختی سے اپنے اپنے مؤقف پر عمل کرنے کے باوجود ایک دوسرے پر فتویٰ بازی تھی، نہ نفرت کی دیوار، بلکہ جب سیّدُ نا سعد رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا کہ سیّدُ نا ابن مسعود رضی اللہ عنہ ہنوز ایک منسوخ حکم پر عمل پیرا ہیں تو فرمایا: ((صَدَقَ أَخِي، قَدْ كُنَّا نَفْعَلُ هٰذَا، ثُمَّ أُمِرْنَا بِهٰذَا)) میرے بھائی نے سچ فرمایا، لیکن پہلے ہم ایسے کیا کرتے تھے، بعد میں ہمیں دوسرا

---

[1] صحیح مسلم:534

[2] صحیح مسلم:535

حکم دیا گیا۔ [1]

سلف صالحین رحمہم اللہ اپنے موقف پر پختہ رہنے کے باوجود آپس میں انتہاء درجہ کے نرم خو اور محبت بانٹنے والے تھے۔ سلف صالحین رحمہم اللہ موقف اپناتے تو پہاڑوں کی طرح اس میں مضبوطی فرماتے لیکن جب دوسروں کے ساتھ تعامل کرتے تو نرم مزاج ہوتے۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ موقف تو ہر انسان کا ایک ہونا چاہیے یہ بھی کوئی طریقہ ہے کہ بندہ کہے سارے ٹھیک ہیں۔ کبھی ایسے کر لیں اور کبھی ایسے کر لیں۔ سلف کا یہ منہج نہیں تھا۔ بلکہ فروعی مسائل میں اپنے موقف پر پختگی، رسوخ، دلائل، کے باوجود دوسرے کو Msrgin دیتے تھے۔ اور اسلامی اخوت کا شیرازہ نہیں بکھرنے دیتے تھے۔

ii۔ اسی طرح سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ موقف تھا کہ زانی مزنیہ کے ساتھ جب زنا کرے تو نکاح نہیں کر سکتا۔ وہ واضح طور پر کہتے تھے کہ جب کوئی آدمی زنا کرے تو جب تک وہ اکٹھے رہیں گے زانی ہی ہوں گے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اس موقف سے اتفاق نہیں کرتے تھے انکا موقف تھا کہ حرام کاری سے حلال کام کیسے حرام ہو گیا؟ انہوں نے حرام کیا اس کا وبال ان کے اوپر ہے اب وہ حلال توبہ کرنے کے بعد کا راستہ اختیار کرنا چاہتے ہیں تو ان کو کیوں منع کیا جا سکتا ہے؟

اس وقت یہ ہمارا موضوع یہ نہیں ہے کہ راجح کیا ہے اور مرجوح ہے؟

موضوع یہ ہے کہ اس اجتہادی مسئلے میں اختلاف کے باوجود سیدنا عمر اور سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کا باہمی تعلق مثالی تھا۔ دو چار مسائل میں نہیں، بلکہ امام ابن القیم رحمہ اللہ کے بقول ان دونوں جلیل القدر صحابہ کرام کا تقریباً ایک سو مسائل میں اختلاف تھا۔ [2]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سیدنا عبداللہ بن مسعود کے بارے میں اکثر کہا کرتے تھے: ((كُنَيْفٌ

---

[1] صحیح، ابوداؤد، 747

[2] إعلام الموقعین: 2/167

مُلِئَ عِلْمًا))[1]

امام ابن عبدالبر نے لکھا ہے کہ ''کُنَیْفٌ'' تصغیر ہے، اگر اسے تقلیل کے معنی میں لیا جائے تو سیدنا ابن مسعود کے چھوٹے قد کی طرف اشارہ ہے، یعنی: چھوٹا سا ابن مسعود علم سے بھرپور، یا پھر یہ تصغیر برائے تعظیم ہے، یعنی: علم کا بھرا ہوا بہت بڑا خزانہ۔[2]

بلکہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اپنے مقام و مرتبہ کے باوجود سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مشاورت فرما لیتے اور کبھی تو ان کو آتا دیکھ کر ان کا چہرہ چمک اٹھتا اور بے ساختہ پکار اٹھتے: ((کُنَیْفٌ مُلِئَ عِلْمًا))۔[3]

سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ اس اجتہادی اختلاف کے باوجود باہمی محبت کا یہ عالم تھا کہ زید بن وہب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہم سیدنا ابن مسعود کے پاس آئے، سیدنا عمر کا ذکر خیر ہوا تو سیدنا ابن مسعود کی کیفیت ہی بدل گئی:

((بَکٰی حَتّٰی ابْتَلَّ الْحَصٰی مِنْ دُمُوْعِهٖ)) اس قدر روئے کہ آنسوؤں سے زمین تر ہو گئی اور فرمایا: ((إِنَّ عُمَرَ کَانَ حِصْنًا حَصِیْنًا لِلْإِسْلَامِ یَدْخُلُوْنَ فِیْهِ وَلَا یَخْرُجُوْنَ مِنْهُ، فَلَمَّا مَاتَ عُمَرُ انْثَلَمَ الْحِصْنُ، فَالنَّاسُ یَخْرُجُوْنَ مِنَ الْإِسْلَامِ)) سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اسلام کا ایک قلعہ تھے ان کی شہادت سے اس میں سوراخ ہو گیا ہے۔[4]

آپس میں محبت، الفت کا رشتہ، باہمی ادب و احترام، اسلامی اخوت کے تقاضے، ان کو وہ کبھی مجروح نہیں ہونے دیتے تھے۔

iii۔ سیدنا زید بن ثابت اور سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا وراثت کے ایک مسئلہ

---

[1] مصنف عبدالرزاق 18187، مصنف ابن ابی شعبہ: 32236

[2] الاستذکار، 2/440

[3] الطبرانی، للحاکم۔ صحیح الإرواء للألبانی 7/280، 2224

[4] طبقات ابن سعد، 3/283، مصنف عبدالرزاق، 7/289۔ 13214۔ 13215

پر شدید اختلاف تھا کہ دادا کی موجودگی میں بھائیوں کو حصہ ملے گا یا نہیں۔اور یہ اب تک اختلافی مسئلہ ہے اس وقت صحابہ کرام کے درمیان بھی اس کے فہم میں اختلاف تھا سیّدنا ابوبکر صدیق، سیّدنا عبداللہ بن عباس، سیّدنا عبداللہ اور ان کے علاوہ بعض صحابہ کا موقف تھا کہ دادا باپ کی طرح ہوتا ہے۔قرآن مجید میں اوپر کی نسلوں کو بھی آباء کہا گیا ہے جس طرح میت کے باپ کی موجودگی میں میت کے بھائی محروم ہوتے ہیں اسی طرح دادا کی موجودگی میں بھی وہ محروم ہیں جبکہ دیگر صحابہ کے رائے اس سے مختلف تھی۔ [1]

اب دونوں کا آپس میں اختلاف ہے۔

سیّدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ موقف کے اوپر اتنا پختہ تھے کہ چیلنج کر کے کہا کرتے تھے کوئی مجھ سے مناظرہ کرنا چاہتا ہے تو آکر کرسکتا ہے اسی طرح سیّدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ اپنے موقف پر پختہ ہیں۔

لیکن آپس میں احترام اتنا ہے کہ سیّدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ اونٹ کے اوپر سوار ہیں سیّدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ ان کے اونٹ کی نکیل پکڑ کر چلانا شروع کر دیتے ہیں سیّدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ((تَنَحَّ، يَا ابْنَ عَمِّ رَسُولِ اللهِ! ''رسول اللہ کے چچازاد! پیچھے ہٹ جایئے؟ سیّدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ جواب دیتے ہیں: ((هٰكَذَا أُمِرْنَا أَنْ نَفْعَلَ بِعُلَمَاءِنَا)) ہمیں اپنے علماء کے احترام کا ایسے ہی سبق سکھایا گیا ہے، سیّدنا زید رضی اللہ عنہ کہنے لگے: ابن عباس! اپنا ہاتھ آگے کرو اور ان کے ہاتھ پر بوسہ دیتے ہوئے فرماتے ہیں: ((هٰكَذَا أُمِرْنَا أَنْ نَفْعَلَ بِأَهْلِ بَيْتِ نَبِيِّنَا)) ہمیں اہل بیت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احترام کا ایسا ہی سبق دیا گیا ہے۔ [2]

سیّدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی جب وفات ہوئی تو سیّدنا عبداللہ بن عبا رضی اللہ عنہ کہنے لگے

---

[1] الإقناع لابن المنذر اور الإشراف علی مذاهب العلماء لابن المنذر، 4/342-343

[2] جامع بیان العلم وفضلہ 2/117

:((لَقَدْ ذَهَبَ الْيَوْمَ عِلْمٌ كَثِيرٌ)) آج زید کی وفات سے بہت سا علم رخصت ہو گیا ہے۔

ان میں فروعی واجتہادی مسائل میں اختلاف کے باوجود باہمی محبت بدستور رہی۔ باہمی ادب واحترام اور محبت تو ہمارے سلف صالحین کا طرۂ امتیاز ہے۔

عظیم تابعی امام مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں:((صَحِبْتُ ابْنَ عُمَرَ، وَأَنَا أُرِيدُ أَنْ أَخْدُمَهُ، فَكَانَ يَخْدُمُنِي "میں سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ کی شاگردی میں رہا، میں ان کی خدمت کرنا چاہتا تھا، لیکن وہ میری خدمت کیا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ فرماتے ہیں:((رُبَّمَا أَخَذَ ابْنُ عُمَرَ لِي بِالرِّكَابِ)) بسا اوقات سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ میری سواری کی رکاب تھام لیتے تھے۔ [1]

مجھے وہ دن کبھی نہیں بھولتا، جب میں جامعہ سلفیہ فیصل آباد میں زیر تعلیم تھا، یہ 1995 کی بات ہے، میری مربی، میرے محسن، میرے شیخ، استاذ نا الکریم حافظ محمد شریف صاحب حفظہ اللہ ایک دفعہ میرے پاس عیادت کی غرض سے تشریف لائے اور میرے پاؤں دبانے لگے۔ فَجَزَى اللهُ شُيُوخَنَا عَنَّا خَيْرَ الْجَزَاءِ۔

iv۔ اس ضمن میں امام ابن عساکر تاریخ دمشق میں امام شافعی رحمہ اللہ کا ایک بہت مثالی اور سنہری قول نقل کرتے ہیں۔ ان کا امام یونس رحمہ اللہ سے کسی مسئلہ میں اختلاف ہو گیا، مناظرہ ہوا باقاعدہ Discussion ہوتی رہی، Debate ہوئی۔ اس کے بعد دونوں اپنے اپنے راستے کی طرف چل دیئے بعدازاں امام شافعی رحمہ اللہ ان سے راستے میں ملے مصافحہ کیا، کہا:((يَا أَبَا مُنْذِرٍ! أَلَا يَسْتَقِيمُ أَنْ نَكُونَ إِخْوَانًا وَإِنْ لَمْ نَتَّفِقْ فِي الْمَسْأَلَةِ)) ابومنذر! کیا یہ بات صحیح نہیں ہے کہ بے شک مسائل میں اختلاف ہو جائے لیکن پھر بھی ہم بھائی بھائی بن کر رہیں؟! [2]

vi۔ ماضی قریب کی بات ہے جو میرے والد گرامی نے مجھے سنائی تھی اللہ تعالیٰ ان کو غریق

---

[1] سیر، 4/452

[2] جامع بیان العلم وفضلہ 2/117

رحمت فرمائے۔

کہتے ہیں:

7۔ حضرت مولانا عبداللہ محدث روپڑی رحمہ اللہ اور حضرت مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ کے آپس میں اجتہادی مسائل بلکہ بعض عقائد و تفسیری مسائل میں بھی بڑے شدید اختلاف تھے۔ میرے والد مکرم رحمہ اللہ مجھے بیان کرتے ہیں کہ اللہ رب العزت نے مجھے موقع دیا جب میں حضرت عبداللہ محدث روپڑی رحمہ اللہ کی معیت میں حج کے لیے گیا۔ میں نے وہاں حضرت عبداللہ محدث روپڑی کو دیکھا کہ کعبۃ اللہ کے ساتھ چمٹ چمٹ کر رو رو کر دعا کر رہے ہیں اور جب قریب ہو کر میں نے ان کی دعا کو سننے کی کوشش کی تو آپ یہ الفاظ بھی کہہ رہے تھے۔ اے اللہ! تو جانتا ہے کہ میرا اور تیرے بندے ثناء اللہ امرتسری کا ذاتی اختلاف نہیں تھا۔ اے اللہ! اگر وہ غلطی پر ہیں تو ان کو معاف فرمادے۔

ہمارے اسلاف کے اندر یقینی طور پر فقہی و اجتہادی مسائل میں اختلاف کے باوجود یہ اخلاق، یہ رویہ ان کے منہج اور تعامل کے اندر پایا جاتا تھا، وہ فروعی مسائل میں اختلاف کی وجہ سے اخلاقی قدروں کو خیرباد نہیں کہتے تھے۔

5۔ کبار اہل علم کو خصوصی احترام دیں اور ان کی غلطیاں اچھالنے سے گریز کریں:

دنیا میں کون سی ایسی شخصیت ہے جس سے غلطی نہ ہوتی ہو؟

اسی طرح بعض مسائل میں اہل علم سے بھی بالکل واضح اور فاش غلطیاں ہو جاتی ہیں۔

ایسی صورتحال میں ان کی غلطیوں کی گرفت کی جائے گی، علمی سقم واضح کیا جائے گا اور حق کو نکھار کر پیش کیا جائے گا۔ لیکن ان کی ذات پر فتوی بازی اور ان کی غلطی کو اچھالنا اور اسے بہت نمایاں کر کے پیش کرنا، ان کی باقی خدمات کو سراسر نظر انداز کر دینا، یہ انتہا درجہ کی بداخلاقی اور بدتمیزی ہے نیز سوقیانہ اور بازاری انداز ہے۔ اہل علم یہ طریقہ کبھی بھی اختیار نہیں کرتے۔

اس طرح کی صریح غلطیاں ہمیں عہد صحابہ سے لے کر آج تک کبار علماء کرام کی مل جائیں گی، کم ہی اہل علم اس سے محفوظ رہے ہوں گے۔ بلکہ بعض دفعہ یہ غلطیاں عقائدی مسائل میں بھی لگ سکتی ہیں۔

تاریخ کا شاید کوئی عہد اس طرح کی مثالوں سے خالی نہیں۔

اس لیے اسلامی عہد کے عظیم مورخ امام ذہبی، عظیم تابعی مفسر و محدث سیدنا قتادہ رضی اللہ عنہ کے حالات میں لکھتے ہیں: ((وَكَانَ يَرَى الْقَدَرَ - نَسْأَلُ اللهَ الْعَفْوَ - وَمَعَ هَذَا، فَمَا تَوَقَّفَ أَحَدٌ فِي صِدْقِهِ، وَعَدَالَتِهِ، وَحِفْظِهِ، وَلَعَلَّ اللهَ يَعْذِرُ أَمْثَالَهُ مِمَّنْ تَلَبَّسَ بِبِدْعَةٍ يُرِيدُ بِهَا تَعْظِيمَ الْبَارِي وَتَنْزِيهَهُ، وَبَذَلَ وُسْعَهُ، وَاللهُ حَكَمٌ عَدْلٌ لَطِيفٌ بِعِبَادِهِ، وَلَا يُسْأَلُ عَمَّا يَفْعَلُ. ثُمَّ إِنَّ الْكَبِيرَ مِنْ أَئِمَّةِ الْعِلْمِ إِذَا كَثُرَ صَوَابُهُ، وَعُلِمَ تَحَرِّيهِ لِلْحَقِّ، وَاتَّسَعَ عِلْمُهُ، وَظَهَرَ ذَكَاؤُهُ، وَعُرِفَ صَلَاحُهُ وَوَرَعُهُ وَاتِّبَاعُهُ، يُغْفَرُ لَهُ اللهُ، وَلَا نُضَلِّلُهُ وَنَطْرَحُهُ وَنَنْسَى مَحَاسِنَهُ. نَعَمْ، وَلَا نَقْتَدِي بِهِ فِي بِدْعَتِهِ وَخَطَئِهِ، وَنَرْجُو لَهُ التَّوْبَةَ مِنْ ذَالِكَ)) [1]

امام قتادہ رحمہ اللہ قدریہ بعض مسائل کی طرف مائل تھے۔ اللہ معاف فرمائے۔ لیکن اس کے باوجود کسی ایک نے بھی ان کی صداقت، عدالت اور حافظے میں جرح نہیں کی۔ مجھے امید ہے کہ اللہ ایسے لوگوں کا عذر قبول فرمائے گا؛ کیونکہ یہ لوگ باری تعالیٰ کی تنزیہ و تقدیس کے زعم میں بدعت کا شکار ہو گئے۔ اللہ اپنے بندوں کے ساتھ نرمی اور شفقت والا معاملہ کرنے والا ہے اسے کون پوچھ سکتا ہے؟ وہ جو چاہے سو کرے۔ ہاں! یاد رکھیں کہ جب ائمہ علم کے اکثر مسائل درست ہوں، تلاش حق پر مبنی ہوں، ان کا علم وسیع، ذہانت غالب، نیکی معروف ہو اور وہ اتباع سنت میں مشہور ہوں، اللہ انہیں معاف فرمائیں گے، ہم انہیں گمراہ کہہ کر چھوڑ نہ دیں اور ان کی خوبیوں کو نہ بھولیں۔ لیکن ان کی بدعت اور مبنی بر خطا رائے میں ہم ان کی پیروی نہیں کریں گے، بلکہ حسنِ

[1] سیر أعلام النبلاء، 2715

ظن رکھیں گے کہ ہوسکتا ہے انہوں نے توبہ کرلی ہو ۔

ائمہ اربعہ، امام ابن حجر، امام نووی اور اِدھر برصغیر میں حضرت شاہ ولی اللہ، شاہ اسماعیل شہید، شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ امرتسری، غزنوی اور لکھوی بزرگ رحمہم اللہ، کون سا ایسا نام ہے جس سے بعض مسائل میں غلطی نہ ہوئی ہے؟! بعض اوقات سنگین اور فاش غلطیاں بھی ہوئی ہیں۔ بلکہ بعض کو عقائد کے باب میں بھی سخت ٹھوکریں لگیں۔

لیکن کیا یہ کبار کا احترام ہے؟ کہ کل کے بچے ان عظیم ہستیوں کی تمام خدمات کو بالائے طاق رکھ دیں اور ان کبار اہل علم کی غلطیوں کو یوں اچھالیں کہ نعوذ باللہ کفر کی سرحدوں کے قریب پہنچا کر دم لیں۔

بالخصوص سوشل میڈیا پر متحرک بعض جلد بازی احباب ایسے غلطیاں اچھالتے ہیں، کہ ہمارے یہ عظیم لوگ بس کافر ہوتے ہوتے بمشکل بچتے ہیں۔

ہاں البتہ، ایسے لوگ جن کی قابل ذکر خدمات ہیں نہ کوئی منہج، بلکہ ان کی بدعات غالب ہیں، انحرافات ہی انحرافات ہیں۔ ان کا معاملہ اور ہے۔

6) مسلسل غور وفکر اور حق کی طرف رجوع

سلف صالحین دوسرے فریق کے دلائل پر غور وفکر بھی کرتے رہتے تھے۔ اگر ان کو حق مخالف فریق کی طرف نظر آتا، دلائل اس کے راجح معلوم ہوتے تو اپنی غلطی کو تسلیم کر کے دوسرے کی رائے اپنا لیتے۔

اس موضوع پر جناب ڈاکٹر خالد بن احمد بابطین کا پی ایچ ڈی کا thesis سعودی یونیورسٹی سے فائنل ہوا، اس کا نام ہی یہ ہے "المسائل الفقهية التي حُكِي فيها رجوع الصحابة" (فقہی مسائل میں صحابہ کا رجوع) اس میں وہ بیسیوں مسائل کی انڈیکس لکھتے ہیں اور یہ رزلٹ نکالتے ہیں کہ صحابہ کے جتنے بھی فقہی واجتہادی مسائل کے اندر اختلاف تھے۔ ان میں سب سے زیادہ اپنے موقف میں رجوع کرنے والے سیدنا عمر بن الخطاب، عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن

عباس اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم تھے یہ چاروں شخصیتیں اپنی اپنی جگہ پر کمال کی شخصیتیں تھیں اور زمانہ نبوت سے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سند یافتہ تھیں۔اس کے باوجود ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا بہت سے مسائل میں رجوع ثابت ہے وہ قطعاً رجوع کرنے میں اپنی توہین نہیں سمجھتے تھے۔

i۔سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا رجوع مثال کے طور پر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے مابین کئی اجتہادی نوعیت کے مسائل کے اندر ابتدائی طور پر آراء میں اختلاف ہوا۔

قرآن مجید کی جمع وتدوین کا مسئلہ لے لیجئے:

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کا موقف ہے کہ میں وہ کام کیسے کروں جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہیں کیا جبکہ سیدنا عمر رضی رضی اللہ عنہ کا اصرار تھا کہ قراء علماء شہید ہو رہے ہیں تو آپ ضرور جمع وتدوین کا کام کیجئے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں:((لَمْ يَزَلْ عُمَرُ يُرَاجِعُنِي حَتّٰى شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرِي))سیدنا عمر مجھے مسلسل دلائل دیتے رہے یہاں تک کہ میں نے اپنی رائے سے رجوع کرلیا، میرا شرح صدر ہوا اور میں نے سیدنا عمر کا موقف اپنالیا۔[1]

ii۔نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے موقع پر ایک عجیب سی کیفیت تھی اس موقع پر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے موقف سے رجوع کیا۔

iii۔سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا رجوع

سُئِلَ أَبُو مُوسَى عَنْ بِنْتٍ وَابْنَةِ ابْنٍ وَأُخْتٍ فَقَالَ لِلْبِنْتِ النِّصْفُ وَلِلْأُخْتِ النِّصْفُ وَأْتِ ابْنَ مَسْعُودٍ فَسَيُتَابِعُنِي فَسُئِلَ ابْنُ مَسْعُودٍ وَأُخْبِرَ بِقَوْلِ أَبِي مُوسَى فَقَالَ لَقَدْ ضَلَلْتُ إِذًا وَمَا أَنَا مِنَ الْمُهْتَدِينَ أَقْضِي فِيهَا بِمَا قَضَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلْابْنَةِ النِّصْفُ وَلِابْنَةِ ابْنٍ السُّدُسُ تَكْمِلَةَ الثُّلُثَيْنِ وَمَا بَقِيَ فَلِلْأُخْتِ فَأَتَيْنَا أَبَا مُوسَى فَأَخْبَرْنَاهُ بِقَوْلِ ابْنِ

[1] صحیح بخاری:4603

مَسْعُودٍ فَقَالَ لَا تَسْأَلُونِي مَا دَامَ هٰذَا الْحَبْرُ فِيكُمْ ـ [1]

سیدنا ابوموسیٰ سے بیٹی، نواسی اور بہن کی میراث کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے کہا کہ بیٹی کے لئے نصف اور بہن کے لئے نصف ہے اور تم ابن مسعود کے پاس جا کر پوچھو، یقین ہے وہ بھی میری طرح ہی بیان کریں گے، چنانچہ ابن مسعود (رضی اللہ عنہ) سے پوچھا گیا۔ اور ابوموسیٰ کا قول بیان کیا گیا تو انہوں نے کہا میں اس صورت میں گمراہ ہو جاؤں گا اور ہدایت نہ پاؤں گا میں تو تمہیں وہ فیصلہ دوں گا جو نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فیصلہ دیا ہے بیٹی کو آدھا اور نواسی کو چھٹا حصہ ملے گا، یہ دو تہائی ہو گئیں باقی ایک تہائی بہن کو ملے گا، ہم لوگ جناب ابوموسیٰ کے پاس آئے اور ان کو ابن مسعود کے قول کی خبر دی تو انہوں نے کہا کہ مجھ سے نہ پوچھو جب تک کہ وہ عظیم عالم تم میں موجود ہیں۔

جناب ابوموسیٰ اشعری اپنے موقف سے رجوع بھی کرتے ہیں اور رجوع کرنے کے بعد جناب عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے موقف کو اس انداز میں اپناتے ہیں کہ اپنے شاگردوں سے کہتے ہیں: ((لَا تَسْأَلُونِي مَا دَامَ هٰذَا الْحَبْرُ فِيكُمْ)) جب تک سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ متبحر عالم موجود ہے مجھ سے کوئی مسئلہ پوچھا ہی نہ کرو، بلکہ انہی سے پوچھا کرو۔

وہ سب تواضع، عاجزی اور انکساری کے پیکر تھے۔

17۔ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیت اللہ کا طواف کر رہے تھے۔ جناب امیر معاویہ بیت اللہ کے چاروں کونوں کو بوسہ دے رہے تھے، ہاتھ لگا رہے تھے، ہاتھ کے ساتھ استلام کر رہے تھے وہ ایسا محض محبت اور فرط جذبات میں کر رہے تھے۔ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہنے لگے: یہ کیا کر رہے ہیں، جناب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: ((لَيْسَ شَيْءٌ مِنَ الْبَيْتِ مَهْجُورًا)) بیت اللہ کی تو ہر چیز ہی مبارک ہے، میں ہاتھ لگا رہا ہوں تو کیا غلط کر رہا ہوں؟ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں ﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ

[1] صحیح البخاری، 6736

اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ ﴾ درحقیقت اللہ کے رسول ﷺ کی ذات بہترین نمونہ ہیں۔ [1]

ابن عباس رضی اللہ عنہما نے صرف حجر اسود اور رکن یمانی کا استلام کیا تھا جبکہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ چاروں کونوں پر استلام کر رہے ہیں۔ لیکن سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنی رائے پر مُصر رہنے کی بجائے رجوع کر لیا اور کہا: ((صَدَقْتَ)) آپ نے سچ کہا کہ سنت کے عمل میں ہی برکت ہے۔

ہمارے علماء کے بعض گروپوں میں اس چیز کی بڑی کمی محسوس ہوتی ہے، کہ ایک رائے کو اپنا لینے کے بعد ہم دیگر آراء کی طرف نظر التفات بھی گوارا نہیں کرتے۔

ہاں! ((لِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيهَا)) بجا ہے، کہ ہر ایک اپنی رائے کو دلائل کی روشنی میں اپنانے میں بھی آزاد ہے اور اس پر قائم رہنے میں بھی، اس پر کوئی دوسری رائے مسلط نہیں کی جا سکتی،

لیکن میرے شیخ محترم حافظ محمد شریف حفظہ اللہ نے اس آیت مبارکہ کے حوالے سے ایک موقع پر بہت خوبصورت توجہ دلائی تھی، کہ اگلے حصے میں یہ بھی ہے: ((فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ)) کوشش خیر کی طرف آگے بڑھنے کی ہونی چاہیے۔ اور ممکن ہے دوسری رائے میں زیادہ خیر ہو۔

7۔ حسن ظن پر قائم رہیں

سلف صالحین فروعی واجتہادی مسائل میں اختلاف کے باوجود ایک دوسرے پر حسن ظن رکھتے تھے اور عذر تلاش کرتے تھے، فوری طور پر تفسیق، تبدیع، تضلیل اس طرح کے فتوے صادر نہیں کرتے تھے بلکہ یہ ذہن میں رکھتے تھے کہ وہ بھی اپنی جگہ پر مخلص ہی ہے اس لئے اس کا اپنا فہم ہے اور میرا اپنا فہم ہے جس طرح حسن ظن عام معاملات کے اندر ضروری ہے اسی طرح فروعی

---

[1] الاحزاب: 21

واجتہادی مسائل کے اندر بھی ایک دوسرے پر حسن ظن رکھنا ضروری ہے۔

۱: اس حوالے سے ایک مقولہ جو امام ابن سیرین اور امام ابوجعفر رحمہما اللہ سے منقول ہے، فرماتے ہیں: إِذَا بَلَغَ عَنْ أَخِيكَ شَيْءٌ تُنْكِرُهُ فَالْتَمِسْ لَهُ عُذْرًا وَاحِدًا إِلَى سَبْعِينَ عُذْرًا فَإِنْ أَصَبْتَهُ وَإِلَّا فَقُلْ: لَعَلَّ لَهُ عُذْرًا مَا أَعْرِفُهُ" جب تمہیں اپنے بھائی کی طرف سے ایسی بات پہنچے جو تمہیں اچھی نہ لگے تو اپنی طرف سے کوشش کرو ایک کم ستر (69) عذر تلاش کرو کہ ہوسکتا ہے یہ مجبوری آ گئی ہو یا کوئی تو وجہ ہو گئی ہو گی جس کی وجہ سے معاملہ اچھے طریقہ سے طے نہیں پایا جا سکا اس کے بعد بھی اگر تمہیں کوئی عذر نہ ملے پھر بھی سوچو شاید اس کے پاس کوئی عذر ہو جس کو میں پہچان نہیں سکا۔ [۱]

بعض لوگوں نے اس کو مرفوع روایت کے طور پر پیش کیا ہے لیکن ثابت نہیں ہے جبکہ ایک مرفوع روایت سے اس کی تائید ہوتی ہے کہ

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

((جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ، كَمْ نَعْفُو عَنِ الْخَادِمِ؟ فَصَمَتَ. ثُمَّ أَعَادَ عَلَيْهِ الْكَلَامَ. فَصَمَتَ. فَلَمَّا كَانَ فِي الثَّالِثَةِ. قَالَ: »أُعْفُوا عَنْهُ فِي كُلِّ يَوْمٍ سَبْعِينَ مَرَّةً« [۲]

ایک آدمی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا عرض کرنے لگا میں اپنے غلام کو کتنی مرتبہ معاف کروں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے، دوبارہ سوال کیا گیا پھر بھی آپ خاموش رہے، تیسری بار استفسار پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ایک دن میں ستر مرتبہ معاف کیا کرو۔

۲: سیدنا سعید بن مسیب رحمہ اللہ ارشاد فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض صحابہ نے مجھے باقاعدہ لکھ کر نصیحت کی تھی کسی بھی مسلمان بھائی سے کوئی بات ثابت ہوتی ہے تو جب تک اس

---

[۱] شعب الایمان، للبیہقی ۱۰/ ۵۵۸، ۷۹۸۹ح

[۲] سنن أبی داود: 5164، جامع الترمذی: 2064 [حکم الألبانی]: صحیح۔

سے اچھا مطلب مراد لیا جا سکتا ہو بدگمان نہ ہونا۔

۳: رسول اللہ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں: ((اِيَّاكُمْ وَالظَّنَّ، فَاِنَّ الظَّنَّ اَكْذَبُ الْحَدِيْثِ)) بدگمانی سے بچو، کیونکہ بدگمانی بدترین جھوٹ ہے۔[1]

یہ آپ ﷺ کا مطلق ارشاد ہے جہاں باقی اخلاقی معاملات میں بدگمانی سے بچنا ہے وہاں فقہی واجتہادی مسائل میں اختلافات کے حوالے سے بھی اس حدیث کو مدنظر رکھنا چاہیے۔

8۔ایک دوسرے کی اقتداء میں نماز ادا کرنا

ہمارے اسلاف فقہی واجتہادی مسائل میں اختلاف رائے کے باوجود ایک دوسرے کی اقتداء میں نماز پڑھنے میں حرج محسوس نہیں کرتے تھے۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ سے ایک طویل سوال پوچھا گیا، کیا مذاہب اربعہ کے متبعین کی ایک دوسرے کے اقتداء میں نماز درست ہے؟ بالخصوص جب امام کسی فقہی مسئلہ میں صحت نماز کا قائل ہو اور اس کی مقتدی اس کے برعکس بطلان کا قائل ہو۔ مثلاً امام نکسیر، قئی، مس ذکر، قہقہہ، اونٹ کا گوشت کھانے وغیرہ سے نقض وضوء کا قائل نہ ہو جبکہ مقتدی قائل ہو تو کیا ایسی صورت حال میں بھی اقتدا درست ہوگی؟ اس پر امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے درج ذیل جواب لکھا ہے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَعَمْ، تَجُوزُ صَلَاةُ بَعْضِهِمْ خَلْفَ بَعْضٍ، كَمَا كَانَ الصَّحَابَةُ وَالتَّابِعُونَ لَهُمْ بِإِحْسَانٍ، وَمَنْ بَعْدَهُمْ مِنَ الْأَئِمَّةِ الْأَرْبَعَةِ يُصَلِّي بَعْضُهُمْ خَلْفَ بَعْضٍ، مَعَ تَنَازُعِهِمْ فِي هٰذِهِ الْمَسَائِلِ الْمَذْكُورَةِ وَغَيْرِهَا. وَلَمْ يَقُلْ أَحَدٌ مِنَ السَّلَفِ إِنَّهُ لَا يُصَلِّي بَعْضُهُمْ خَلْفَ بَعْضٍ، وَمَنْ أَنْكَرَ ذٰلِكَ فَهُوَ

[1] صحیح البخاری: ۵۱۴۳، مسلم: ۲۵۶۳

مُبْتَدِعٌ ضَالٌّ، مُخَالِفٌ لِلْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ، وَإِجْمَاعِ سَلَفِ الْأُمَّةِ، وَأَئِمَّتِهَا. [1]

جی ہاں، الحمدللہ، ان کی نماز ایک دوسرے کی اقتداء میں درست ہے، جیسا کہ صحابہ و تابعین، ائمہ اربعہ ایک دوسرے کی اقتداء میں ماز ادا کرتے رہے، حالانکہ ان کا بھی مذکورہ مسائل اور دیگر کئی مسائل میں اختلاف موجود تھا۔ سلف صالحین میں سے کوئی بھی ایک دوسرے کی اقتداء میں نماز نہ پڑھنے کی قائل نہیں، جو اس مسئلہ کا انکار کرے وہ مبتدع اور گمراہ انسان ہے، کتاب وسنت اور ائمہ سلف وامت کے اجماع کا مخالف ہے۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ اگر امام ایسا شخص ہے جس کی رائے ہے کہ خون نکلنے سے وضو نہیں ٹوٹتا تو کیا اس کی اقتداء میں میری نماز ہو جائے گی؟

۔ کیونکہ میں اس موقف کی تائید کرتا ہوں کہ خون کے اخراج سے وضو ٹوٹ جاتا ہے، اگر امام کا خون نکل رہا ہو تو میرے موقف کے مطابق تو اس کا وضو ٹوٹ چکا ہے اور اس کی نماز نہیں ہو رہی، جب امام کی نماز نہیں ہو رہی تو اس کے پیچھے میری نماز کیسے ہو گی؟۔

اس پر امام احمد رحمہ اللہ نے بہت خوبصورت جواب دیا، فرمایا: كَيْفَ لَا أُصَلِّي خَلْفَ الْإِمَامِ مَالِكٍ وَسَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ یہ کیسے ممکن ہے کہ میں امام مالک اور امام سعید بن مسیب کی اقتداء میں نماز نہ پڑھوں؟! جبکہ یہ دونوں خون کے اخراج کو ناقض وضو نہیں سمجھتے۔ [2]

بدعت مکفرہ کی بحث الگ ہے، وہ ایک علیحدہ تفصیل طلب موضوع ہے۔

اجتہادی مسئلہ میں اختلاف کی صورت میں صحابہ اور تابعین میں سے کوئی بھی اس بات کا قائل نہیں کہ ایک دوسرے کی اقتداء میں نماز نہ پڑھی جائے۔ جیسا کہ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے اقتباس سے واضح ہو چکا ہے۔

اسی طرح امام ابن قدامہ لکھتے ہیں: ((لَمْ يَزَلْ بَعْضُهُمْ يَأْتَمُّ بِبَعْضٍ مَعَ

---

[1] الفتاوی الکبری، لابن تیمیة، 317/2

[2] فتاوی ابن تیمیہ: 364/20

اخْتِلَافِهِمْ فِي الْفُرُوْعِ. فَكَانَ ذٰلِكَ اِجْمَاعٌ)) [1] صحابہ کرام اجتہادی مسائل میں اختلاف کے باوجود ایک دوسرے کی اقتداء میں نماز پڑھ لیتے تھے؛ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ سب صحابہ کا اس مسئلہ پر اجماع ہے۔

9۔ اختلافات میں ذاتیات کو نہ لائیں

بعض دفعہ اجتہادی مسائل میں اختلاف کی وجہ سے ہم اس کو ذاتیات کی طرف لے جاتے ہیں۔

یہ مسئلہ تو اجتہادی تھا جس میں اختلاف ہوا اور اس کی back ground میں اپنی ذات کو ترجیح دے کر دوسرے کی ذات کی کردار کشی شروع کر دینا یا اس پر مختلف انداز میں طعن و تشنیع کرنا، نہ ہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا انداز تھا اور نہ ہی سلف صالحین کا منہج یہ تھا۔

اگر عالم عالم کا احترام نہیں کرے گا تو اس سے وہ خود لوگوں کو عدم احترام کا اپنے رویے سے سبق دیتا ہے۔ اور ہمارا آج کا المیہ بھی یہ ہے کہ کسی اجتہادی مسئلہ میں اختلاف ہونے کی دیر ہے اور پھر منبر و محراب سے اس کے خلاف وہ فتوے بازی ہوتی ہے کہ اللہ کی پناہ۔

نامعلوم کیوں ہم اعلیٰ اخلاقیات کو پس پشت ڈال دیتے ہیں؟! ایک راجح اور مرجوح میں اختلاف کی وجہ سے دوسرے کی ذات تک کو معاف نہیں کرتے؟ اللہ ہمیں بھی ایسے موقع پر اکرام مسلم اور ستر مسلم کا رویہ اپنانے کی توفیق دے۔

عظیم تابعی سیدنا سعید بن مسیب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((كَتَبَ إِلَيَّ بَعْضُ إِخْوَانِي مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: " أَنْ ضَعْ أَمْرَ أَخِيكَ عَلَى أَحْسَنِهِ مَا لَمْ يَأْتِكَ مَا يَغْلِبُكَ، وَلَا تَظُنَّنَّ بِكَلِمَةٍ خَرَجَتْ مِنِ امْرِءٍ مُسْلِمٍ شَرًّا وَأَنْتَ تَجِدُ لَهُ فِي الْخَيْرِ مَحْمَلًا))

[1] المغنی 11/2

اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں سے میرے ایک بھائی نے مجھے خط لکھا کہ: ''جس حد تک ممکن ہو اپنے بھائی کے بارے میں اچھی سوچ رکھو، کسی مسلمان کی زبان سے نکلے ہوئے کسی کلمہ کا جب تک اچھا مفہوم لیا جا سکتا ہو تب تک اس کے متعلق برا گمان نہ کرنا۔ [1]

10۔ اختلاف کے اظہار میں مہذب الفاظ اور نرم تعبیرات اختیار کریں

کسی بھی اہل علم سے اختلاف رائے کا اظہار کرتے ہوئے نرمی، تہذیب، شائستگی، تواضع اور ادب کا دامن نہیں چھوڑنا چاہیے۔

بعض دفعہ معمولی اختلاف الفاظ کی شدت، لہجے کی درشتی اور تعبیر کی غلطی کی وجہ سے سخت رنجش اور فساد کا باعث بنتا ہے۔

سچ کہتے ہیں کہ الفاظ کی اپنی شخصیت ہوتی ہے:

کبھی یہ زخموں پر مرہم کا کام دیتے ہیں، کبھی نمک چھڑکنے کا۔

یہ حوصلہ بڑھاتے ہیں تو کبھی حوصلہ شکنی کا باعث بن جاتے ہیں۔

کبھی یہ محبت پیدا کرتے ہیں اور کبھی نفرت کی دیواریں کھڑی کر دیتے ہیں،

کبھی یہ سہلاتے ہیں، تھپکی دیتے ہیں اور کبھی یہ نوچتے ہیں، گہرے زخم لگاتے ہیں۔

بعض گروپوں، مجالس اور بعض خطبات میں لہجوں کی شدت ناقابل برداشت ہوتی ہے۔

مثلاً:

ایک قول آپ کے نزدیک مرجوح ہے، اور آپ نے جھٹ سے اسے باطل قرار دے دیا،

یہ کہنا کہ یہ قول خلاف قیاس ہے اور یہ کہنا: نامعقول بات ہے، دونوں میں کس قدر فرق ہے؟

اگر ایک قول بالکل شاذ اور مرجوح ہے، تو اسے آپ ضعیف کہہ کر گزر سکتے ہیں، لیکن ایک

---

[1] شعب الایمان، للبیہقی ۲۹۹۲، الطبقات الکبری 13/5، مصنف ابی شیبۃ، صححہ ابن حجر فی الإصابۃ 575/1

نامور عالم اس پر گزارہ نہیں کرتے تھے، فرماتے: ''یہ قول ہے کہ بول ہے!! ''۔

بہرحال اختلاف کا اظہار بھی ایک سلیقے سے کرنا چاہیے اور اس کے لیے مناسب الفاظ، کلمات اور تعبیرات کا انتخاب کرنا چاہیے۔

اس حوالے سے یہ حکم الٰہی ہمیشہ مدنظر رکھیں:

سیدنا موسیٰ اور ہارون علیہما السلام جیسے دو پاکباز پیغمبروں کو فرعون جیسے بدترین ظالم کی طرف بھیجتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ((فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى)) تم دونوں اس سے نرم لہجے سے بات کرو (اور دل یہ امید رکھو) ہوسکتا ہے وہ نصیحت حاصل کرلے اور اللہ سے ڈر جائے۔ [1]

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((فَإِنَّ الرِّفْقَ لَمْ يَكُنْ فِي شَيْءٍ قَطُّ إِلَّا زَانَهُ، وَلَا نُزِعَ مِنْ شَيْءٍ قَطُّ إِلَّا شَانَهُ)) جس چیز میں نرمی آجائے وہ مزین اور خوبصورت بن جاتی ہے اور جس چیز سے نرمی ختم کردی جائے وہ معیوب، اور بُری بن جاتی ہے۔ [2]

11۔ تنظیمی، سیاسی تعصبات اور حزبیت سے بچ کر رہیں

بعض علماء کرام کا کسی تنظیم، کسی جماعت، کسی ادارے یا کسی سیاسی پارٹی سے تعلق ہوتا ہے۔ بعض دفعہ ایک علمی مسئلہ کے پوچھنے میں وہ تعصب اور حزبیت جھانک رہی ہوتی ہے اور بار بار چھلک پڑتی ہے، چھپائے نہیں چھپتی، اور وہ وابستگی مٹائے نہیں مٹتی، یہاں بھی ہمیں اپنی تنظیمات کی خدمات کو مدنظر رکھنا چاہیے۔ اور جو ان میں کوتاہیاں ہیں انہیں طعن وتشنیع کی زبان میں آنے کی بجائے، نصیحت کے اسلوب میں عرض کرنا چاہیے۔

واٹس ایپ گروپ یا فیس بک جیسے فورم ہمیشہ [illegible]

[1] فتاویٰ ابن تیمیہ: 20/364

[2] سنن أبی داود: ۴۸۰۸، حکم الألبانی: صحیح

ہوتے۔ نصیحت خلوت میں کی جاتی ہے، یہاں بیان کی جانے والی کمزوریاں بالعموم خیر خواہی کا رنگ اختیار کرنے کی بجائے، ڈانٹ طعن و تشنیع میں بدل جاتی ہیں۔

امام فضیل بن عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''اَلْمُؤْمِنُ یَسْتُرُ وَیَنْصَحُ، وَالْفَاجِرُ یَهْتِکُ وَیُعَیِّرُ'' مومن اپنے بھائی کے عیب کو چھپاتا ہے اور اندرونِ خانہ نصیحت کرتا ہے جب کہ کافر تشہیر کرتا ہے اور عار دلاتا ہے۔ [1]

جب ہم تذلیل، تنقیص اور طعن و تشنیع پر اتر آتے ہیں تو دوسرا بندہ بھی طعن و تشنیع پر اتر آتا ہے جس کی وجہ سے تحقیق پیچھے رہ جاتی ہے اور ایک دوسرے کے اوپر طعن و تشنیع غالب آجاتی ہے۔ پھر اگر اس بے چارے کے اوپر حق واضح ہو بھی جائے تو رجوع کرتے ہوئے وہ تذبذب کا شکار ہو جاتا ہے۔

کیا تم نے کفار سے جہاد کر لیا ہے؟

سفیان بن حسین رحمہ اللہ کہتے ہیں:

ذَکَرْتُ رَجُلًا عِنْدَ اِیَاْزِبْنِ مُعَاوِیَةَ، فَنَظَرَ فِيْ وَجْهِيْ، فَقَالَ: اَغَزَوْتَ الرُّوْمَ؟ قُلْتُ: لَا، اَوِالتُّرْكَ؟ قُلْتُ: لَا، اَوِ السِّنْدَ؟ قُلْتُ: لَا، اَوِ الْهِنْدَ؟ قُلْتُ: لَا، فَقَالَ: اَتَسْلَمُ مِنْكَ الرُّوْمُ وَالتُّرْكُ وَالْهِنْدُ وَالسِّنْدُ، وَلَا یَسْلَمُ مِنْكَ هٰذَا؟! [2]

میں سیدنا ایاز بن معاویہ رحمہ اللہ (تابعی) کے پاس بیٹھا ہوا تھا میں نے ایک مسلمان آدمی کا تذکرہ برے الفاظ میں کیا تو انہوں نے مجھے غور سے دیکھا اور کہنے لگے: کیا تم رومیوں جہاد کیا ہے؟ میں نے کہا: نہیں، پھر پوچھا: ترکیوں سے؟ میں نے کہا: نہیں، پھر پوچھا: بلاد سند سے؟ میں نے کہا: نہیں، پھر پوچھا: بلاد ہند سے؟ میں نے کہا: نہیں۔ (امام سفیان کہتے ہیں) سیدنا ایاز بن معاویہ رحمہ اللہ مجھے کہنے لگے: روم کے کافر بھی تجھ سے محفوظ، بلاد ترک کے کافر بھی تجھ

[1] جامع العلوم والحکم، ابن رجب ۱/۲۳۶

[2] شعب الإیمان (۹/۱۱۷،۶۳۵۱)، البدایة والنهایة (۹/۳۶۷)، تاریخ دمشق، لابن عساکر (۱۰/۱۸)

سے محفوظ، بلاد سندو ہند کے لوگ بھی تجھ سے محفوظ! صرف تیرے مسلمان بھائی ہی تجھ سے محفوظ نہ رہ سکے؟!

یہ نصیحت کا نہایت مؤثر انداز تھا جو انہوں نے اختیار کیا۔

آج کل بہت پُرفتن دور ہے، الحاد، Etheism، سیکولرزم، کیپیٹلزم، کمیونزم اور نہ جانے کتنے ازم ہیں جو اپنے اپنے نظریات کے ساتھ اور مغربی تہذیب کی ایک یلغار ہے جو ہمارے اوپر ایک چڑھائی کیے ہوئے ہیں اور پھر اس پر مستزاد وہ انحرافات، وہ گمراہیاں جو اسلامی معاشرے کے اندر شرک و بدعت کے انداز میں پھیلی ہوئی ہیں یہ یلغار اس حد تک غالب آچکی ہے کہ جامعۃ الایمان کی ایک رپورٹ کے مطابق جب سے سوشل میڈیا عام ہوا ہے اور اس کے ساتھ جب سے ملحدین Active اور متحرک ہوئے ہیں تو صرف عرب ممالک کے اندر بیس لاکھ کے قریب نوجوان اللہ تعالیٰ کی ذات کا انکار کر چکے ہیں اس حد تک ہم شدید یلغار کی زد میں ہیں۔

اس صورتحال میں جب اجتہادی مسائل کے اندر ہم عدم برداشت کا مظاہرہ کرتے ہیں تو اس سے ہماری اپنی صلاحیتیں ماند پڑ جاتی ہیں۔

ہمیں اجتہادی مسائل کے اندر تحقیق ضرور کرنی چاہیے کیونکہ یہ ہماری ضرورت ہے۔

اس ضمن میں ایک عالم کا موقف بڑا قابلِ غور ہے وہ کہتے ہیں کہ اگر اجتہادی مسائل میں تحقیق نہ کریں تو کیا اجماعی مسائل کے اندر کریں اور اس میں نئے شوشے چھوڑا کریں، انہی مسائل کے اندر ہی تو تحقیق ہوگی اجماعی مسائل تو طے شدہ ہیں ان کو تو چھیڑنا بھی جائز نہیں ہے۔

تحقیق اپنی جگہ پر ہے، اختلاف رائے اپنی جگہ پر ہے، اپنے موقف کے اندر پختگی اپنی جگہ پر ہے، لیکن اس سارے موضوع کا مقصد یہ ہے کہ اجتہادی مسائل میں تحقیق کی آڑ میں ہماری اسلامی اخوت کا شیرازہ نہیں بکھرنا چاہیے، ہماری محبتیں ماند نہیں پڑنی چاہیے اور نہ ہی تعصب، انانیت، ذاتی عناد جیسی قباحتیں آنی چاہئیں جن کی بنا پہ امت کا نقصان ہوتا ہے۔

5۔ برداشت کیسے سیکھیں

اب ہم نے دیکھنا ہے کہ ہم اپنے اندر برداشت کیسے پیدا کر سکتے ہیں؟تحمل کیسے پیدا کر سکتے ہیں؟

جب ہم اندر ہی اندر ہر وقت کڑتے رہتے ہیں، جلتے رہتے ہیں، ٹیمپرامنٹ لوز کر بیٹھتے ہیں، بڑی جلدی مشتعل ہو جاتے ہیں، اور پتا نہیں پھر کیا کچھ کر گزرتے ہیں؟ اس سے ہماری صحت پر منفی اثرات مرتب ہوتے ہیں اور معاشرے میں بگاڑ پیدا ہوتا ہے۔ آیئے چند ایسی ہدایات سیکھتے ہیں، جن سے قوت برداشت پیدا کرنے میں مدد ملے گی۔

1) چھوٹی چھوٹی چیزوں کو برداشت کرنا شروع کردیں

سب سے پہلی چیز یہ سمجھیے کہ برداشت سیکھنے اور اپنانے سے آتی ہے۔کوئی ایسا فلسفہ، کوئی ایسا (تعویذ) ڈال نہیں ہے، جو آپ کے اندر برداشت پیدا کر دے، یہ ایک عادت ہے جو سیکھنے اور اپنانے سے آئے گی اور اللہ کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دوٹوک فیصلہ کر دیا:

(إِنَّمَا الْعِلْمُ بِالتَّعَلُّمِ وَالْحِلْمُ بِالتَّحَلُّمِ) علم صرف سیکھنے سے آتا ہے اور برداشت بھی صرف اپنانے سے آتی ہے۔ [1]

دیکھیے!

پہلے دن ہی ہم بڑے اکسپرٹ نہیں ہوتے نا؟ مثلاً: ایک وقت تھا آپ کو قلم پکڑنی بھی نہیں آتی تھی، آپ ڈرائنگ کرتے تھے، نرسری میں ہو گئے، پریپ میں آگئے، ون میں آگئے، ایک، دو، تین لکھنے لگے، ا، ب، ت، ث ٹیڑھا میڑھا لکھنے لگے، ہم لکھتے گئے، لکھتے گئے، لکھتے گئے اور آہستہ آہستہ ہم لکھنے میں اکسپرٹ ہو گئے۔

آج سے ہی چھوٹی، چھوٹی چیزوں کو برداشت کرنا شروع کردیں، اگر آپ بات بات پہ

---

[1] صحیح الجامع: ۲۳۲۸

غصے ہوتے رہتے ہیں تو برداشت کرنا شروع کردیں۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں جس قدر آپ کی برداشت بڑھتی جائے گی آپ کی زندگی میں سکون بڑھتا جائے گا، ریلیکس ہوتے جائیں گے۔ یہ پریکٹس سے آئے گا چھوٹی چھوٹی چیزوں سے شروع کردیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایسے ہی ہماری تربیت فرمانا چاہتے ہیں، روزے کے فضائل بیان کرنے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

وَإِذَا كَانَ يَوْمُ صَوْمِ أَحَدِكُمْ فَلَا يَرْفُثْ وَلَا يَصْخَبْ فَإِنْ سَابَّهُ أَحَدٌ أَوْ قَاتَلَهُ فَلْيَقُلْ إِنِّي امْرُؤٌ صائم. [1]

جب تم میں سے کسی کے روزے کا دن ہو، تو نہ شور مچائے اور نہ ہی فحش باتیں کرے اگر کوئی شخص اس سے جھگڑا کرے یا گالی گلوچ کرے تو کہہ دے میں روزہ دار آدمی ہوں۔

2) مثبت سوچ

چیزوں کو positive، مثبت سوچنے کی عادت ڈالیں۔

بعض دفعہ ہم اپنی قوتِ برداشت، Temprament اس وجہ سے لوز کرتے ہیں کہ ہم اپنے ذہنوں میں خواہ مخواہ مفروضے گھڑنے شروع کردیتے ہیں کہ اس نے مجھے نقصان پہنچانے کے لیے ایسے کیا ہے، مجھے تنگ کرنے کے لیے کیا ہے، اس نے جان بوجھ کر کیا ہے جب ایسی سوچوں سے ہمارا دماغ فُل ہوجاتا ہے تو پھر اس سے کوئی چھوٹی سی بھی غلطی ہوجائے تو ہمارا ردعمل بہت سخت ہوتا ہے۔ [2]

مثبت سوچ سے ہمارے رویئے کیسے تبدیل ہوتے ہیں، ملاحظہ فرمائیں۔

۱) ایک لڑکی لنگڑا کر چل رہی تھی، نوجوان بیٹھے تھے،

---

[1] صحیح بخاری:1904

[2] مثبت سوچ، اس پر بھی باقاعدہ ٹریننگ کی ضرورت ہے۔ دعا کریں کہ اللہ ہمیں اس جیسے کام کرنے کی زیادہ سے زیادہ توفیق عطا فرمائے۔ آمین

ایک نے کہا: دیکھو کیسے مٹک مٹک کر، زمین پہ پاؤں پٹک پٹک کے، انداز بنا کر، اپنے اندر کشش پیدا کرنے کے لیے چل رہی ہے اور کیسے بل کھا رہی ہے!

دوسرا بولا: پتا نہیں ان لڑکیوں کو کیا ہو گیا ہے؟ کوئی سیدھے منہ چلتی ہی نہیں ہیں؟ ایسے ہر وقت ناز نخرے سے چلتی رہتی ہیں؟!

تیسرے نے تبصرہ کیا: نہیں نہیں! یہ آج کل فیشن چل نکلا ہے، اپنے آپ کو دوسروں سے نمایاں دکھانے کا، دوسروں سے علیحدہ نظر آنے کا، یہ اس عادت کا حصہ ہے۔

اب یہ سب کیا ہے؟ مفروضے ہیں، خیالات ہیں!

پہلی بات یہ ہے کہ آپ کو اس پہ توجہ کی ضرورت ہی نہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: "مِنْ حُسْنِ إِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْكُهُ مَا لَا يَعْنِيهِ" [1] آدمی کے اسلام کا حسن اس میں ہے کہ جس چیز سے اس کو کام نہیں اس کو چھوڑ دے۔

چلیں آپ عادت سے مجبور ہیں، لازمی آپ نے تبصرہ کرنا ہی ہے تو مفروضوں پہ تبصرہ نہ کریں اس سے جا کے پوچھ لیں۔ اگر آپ نے پوچھ لیا کہ بیٹی! آپ ایسے کیوں جا رہی ہیں؟ اس نے کہا: مجھے ایک ہفتہ پہلے چوٹ لگی تھی میرا پاؤں اب مڑ گیا ہے اب مجھ سے صحیح چلا نہیں جا رہا۔ تو فیلنگز (Feelings) بدل جائیں گیں، احساس بدل جائے گا، شرمندگی ہو گی کہ ہم کیا کہہ رہے تھے اور اس بے چاری کا مسئلہ کیا ہے۔

۲) یہی صورت حال اس وقت ہوتی ہے جب شوہر نامدار باہر سے تشریف لائے اور اپنی بیوی کو کسی حال میں دیکھا اور بغیر کسی دلیل کے اس پہ مفروضے قائم کر کے طلاق تک نوبت پہنچ گئی ،ایسے نہ کریں، بلکہ تحقیق کریں، ریسرچ کریں، اچھی سوچ سوچیں۔

۳) ایک آدمی راستے میں پیدل جا رہا تھا تو دوسرا سائیکل پہ تھا، بڑی تیزی میں تھا، پیدل

---

[1] جامع الترمذی: 2317

شخص بیچ چوراہے کھڑا ہو گیا، سائیکل ٹھک اس کے اندر جا لگی تو سائیکل سوار اسے کہتا ہے: تو اندھا ہے، تو نابینا ہے، دائیں بائیں، نہ ادھر دیکھا نہ اُدھر، ایسے ہی کھڑے ہو گئے؟! اس بے چارے نے مڑ کر دیکھا اور کہا: میں نابینا ہوں۔ وہ بے چارہ واقعتاً ہی اندھا تھا تو پھر اس کی فیلنگ کیسے بدلے گی!

۴) میں بیٹھا ہوں اور ایک آدمی آکر پیچھے سے مجھے یوں دھکا دے، ایک یہ ہے کہ میں اس کو ڈبل پاور سے پیچھے دھکا دے دوں، اور دوسرا یہ ہے کہ میں اس سے پوچھوں: بیٹے، بھائی، بزرگ! کیا ہوا ہے آپ نے مجھے کیوں پیچھے دھکا دیا ہے؟ اگر مجھے پتا چلے کہ وہ تو پاگل ہے تو پھر میری فیلنگ کیا ہو جائے گی؟

خواہ مخواہ جب ہم غلط مفروضے قائم کرتے ہیں تو اس سے ہمارے اندر ایسے ہی خواہ مخواہ جذبے بوائل ہوتے رہتے ہیں اور کسی سے چھوٹی سی غلطی ہو جائے تو وہ جو ہم نے سابقہ مفروضوں کا ایک پہاڑ کھڑا کیا ہوا ہوتا ہے چھوٹی سی غلطی اس پہاڑ کے ساتھ مل کے ہمیں بہت بڑی نظر آنے لگتی ہے؛ اس لیے ہم جذبات میں آجاتے ہیں، ہوش وحواس کھو بیٹھتے ہیں اور بڑی سختی سے پیش آتے ہیں۔

3۔ توکل

رب پہ توکل رکھا کریں، جلدی نہ کیا کریں، حوصلہ کریں، تقدیر پر ایمان مضبوط کریں، کوئی مسئلہ نہیں، اس نے سازش کر لی ہے تو کیا ہو جائے گا؟ میں حق پر ہوں نا، اللہ میرے ساتھ ہے، اللہ صبر کرنے والوں کی مدد کرتا ہے۔

جس قدر آپ کی برداشت بڑھتی جائے گی، یقین مانیے آپ کے پاس اللہ کی مدد میں اضافہ ہوتا جائے گا۔

4۔ردّعمل میں جلدی نہ دکھائیں

اِدھر سے خبر پہنچی، اُدھر ردّعمل، ایک بات پہنچی، فوراً تبصرہ، کسی کی غلطی دیکھ کر فوراً ردّعمل نہ دکھائیں آپ سوچیں کہ اس بے چارے کو شاید کوئی غلطی لگ گئی ہوگی کوئی وجہ، کوئی مجبوری ہوگی۔

امام جعفر رحمہ اللہ کہا کرتے تھے:

تمہارے بھائی سے غلطی ہو جائے (اِلْتَمِسْ لَهُ سَبْعِيْنَ عُذْرًا) اس کی ستر (70) مجبوریاں تلاش کیا کرو، اگر ستر مجبوریوں کے اندر بھی اس کی کوئی مجبوری تمہیں نظر نہ آئے تو پھر کہا کرو (لَعَلَّ لَهُ عُذْرًا اِلَّا أَعْرِفُهُ) بداس کوئی اور مجبوری ہوگی، جو مجھے سمجھ نہیں آرہی۔ [1]

5۔دوسروں کی خوبیاں بھی یاد رکھیں

برداشت پیدا کرنے کے لیے دوسروں کی خوبیوں پر بھی نظر رکھیں۔بعض دفعہ ہم ایک غلطی کو اس قدر بڑھاتے ہیں کہ اس کی سابقہ تمام خدمات اور خوبیوں کو بیک جنبش حرف غلط کی طرح مٹا دیتے ہیں، اس حوالے سے سیدنا حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ والا واقعہ ہمیشہ مدنظر رکھیں۔

صحیح بخاری ودیگر کتب حدیث میں یہ سبق آموز مفصلا واقعہ آتا ہے، اشارے کرتے ہوئے ہم آگے بڑھیں گے

سیدنا حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ جنگی راز فاش کر دیتے ہیں اور با قاعدہ مشرکین مکہ کو اطلاع دینے کے لیے ایک عورت کو خط دے کر روانہ کرتے ہیں،

اتنا بڑا جرم، جب پکڑا جاتا ہے تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

يَا رَسُولَ اللهِ دَعْنِي أَضْرِبْ عُنُقَ هٰذَا الْمُنَافِقِ, قَالَ: " إِنَّهُ قَدْ شَهِدَ بَدْرًا، وَمَا يُدْرِيكَ لَعَلَّ اللهَ أَنْ يَكُونَ قَدِ اطَّلَعَ عَلَى أَهْلِ بَدْرٍ فَقَالَ: اعْمَلُوا مَا

---

[1] شعب الایمان بیہقی، 10/559، 7991

شِئْتُمْ فَقَدْ غَفَرْتُ لَكُمْ "۔ [1]

اے رسول کریم بس اجازت دیں، اس منافق کا سر قلم کر دوں، فرماتے ہیں اے عمر، تم میدان بدر میں حاطب کی شرکت بھول گئے ہو۔

آپ کی بیوی سے اگر ایک دن کوتاہی ہوگئی، نمک، مرچ زیادہ ہوگئی ایسا نہ ہو کہ آپ کہیں: ساری زندگی تو نے مجھے ایسے ستائے رکھا ہے، یہ بھی یاد کریں کہ سال کے باقی دنوں میں اس نے اچھا کھانا بنایا تھا اگر آج کمی رہ گئی ہے تو کوئی بات نہیں، اسے برداشت کرلیں، اللہ اجر دے گا۔

6) غصہ پر قابو پانے کی تربیت حاصل کریں

اپنے آپ کو غصہ پی جانے کی تربیت دیں۔

اگر آپ غصے میں ہیں، آپے سے باہر ہو رہے ہیں، برداشت سے باہر ہو رہے ہیں، آپ کھڑے ہوئے ہیں فوراً بیٹھ جائیں، بیٹھے ہیں تو لیٹ جائیں، خاموش ہو جائیں، غصہ پھر بھی نہیں جا رہا، برداشت نہیں ہو رہا، وضو کرلیں ان شاء اللہ اس میں بہت ساری برکتیں ہوں گی۔

۔ اس میں سے ہر چیز کے پیچھے ایک حدیث ہے اور بہت ساری تفصیلات ہیں، جنہیں مستقل سمجھنے کی ضرورت ہے۔

اگر آپ کھڑے ہوئے ہیں اور غصے میں آگئے ہیں اور آپ کا ٹیمپرامنٹ لوز ہوگیا اور نہ بیٹھے تو چلے جائیں گے، گھر پہنچیں گے، گن پکڑ کر لائیں گے اور پھر اس ایک چھوٹے سے عمل کی وجہ سے قتل بھی ہو سکتا ہے۔

راجووال کا بڑا قابل افسوس واقعہ ہے: ایک بیٹی نے اپنے ابو سے جا کر کہا: میرے خاوند نے مجھے بہت تنگ کیا ہوا ہے۔

وہ اٹھا، اس نے پسٹل لیا، اپنے داماد کے پاس گیا، داماد روڈ پر بیٹھا ہوا ہے، اس کی دوکان

---

[1] صحیح البخاری 30007

روڈ پہ ہی ہے، اس کو گھسیٹا اور اسی جگہ پہ اس کو شوٹ کر دیا قتل کر دیا۔

کئی سال گزر چکے ہیں بیٹی در در کی ٹھوکریں کھا رہی ہے، باپ جیل میں پڑا ہوا ہے اور داماد قبرستان میں، وجہ چھوٹی سی غلطی تھی۔

اللہ کے پیغمبر کی باتوں پہ عمل کریں، آپ کھڑے ہیں بیٹھ جائیں، زبردستی بیٹھیں، یہ سیکھنے سے آئے گا آپ کو غصہ آ رہا ہے بیٹھنے کو دل نہیں کر رہا، زبردستی اپنے آپ کو بیٹھائیں، ٹریننگ دیں، غصہ آئے تو بجائے اس کے کہ اب آ گیا ہے تو میں سارا غصہ آج نکال ہی لوں اور اس وقت تک چپ نہیں ہوں گا جب تک ہزار طلاق نہیں دے لوں گا۔۔۔ اور اپنے گھر کو اجاڑ نہیں لوں گا۔۔۔ اپنی زبان پہ تالا لگائیں۔۔۔ خاموش ہو جائیں۔۔۔ بیٹھ جائیں۔۔۔ غصہ نہیں جا رہا لیٹ جائیں۔۔۔ جگہ بدل لیں۔۔۔ وضو کر لیں۔۔۔ نہا لیں۔۔۔ کسی طریقے سے اپنے غصے کو کنٹرول کریں اور اپنے آپ کو بڑے نقصانات سے بچائیں۔

7) اختلافات کو عداوت نہ بنائیں

نمبر ا: بعض دفعہ اختلافات کی وجہ سے ہمارے اندر برداشت کم ہو جاتی ہے اس کو کوئی اور چیز پسند ہے مجھے کوئی اور چیز پسند ہے یہ ہمیشہ کے لیے چیز ذہن میں بیٹھا لیں کہ دنیا میں کئی ارب انسان بستے ہیں، ہر انسان کی شکل دوسرے سے علیحدہ ہے؛ جیسے شکل علیحدہ ہے ایسے عقل بھی علیحدہ ہے، ہر انسان کی اپنی اپنی سوچ ہے، اگر کوئی مجھ سے مختلف سوچ رکھتا ہے تو ضروری نہیں ہے کہ میں اس کو دشمن بنا لوں کہ میری سوچ یہ ہے اور تیری سوچ یہ ہے؛ بس اب ہماری لڑائی ہی رہے گی! اس کو بھی اپنی سوچ کے اظہار کا حق حاصل ہے۔

امام شافعی اور دیگر اسلاف رحمہم اللہ کہا کرتے تھے: (أَلَا يَسْتَقِيمُ) کیا یہ بات اچھی نہیں ہے (أَنْ نَخْتَلِفَ) کہ ہم آپس میں اختلاف رائے تو کریں (وَنَبْقَى إِخْوَانًا) لیکن آپس میں پھر بھی

بھائی ہی بن کر رہیں؟![1]

انگریزی میں کہتے ہیں(Peoples are different not enemy)لوگ آپ سے ڈفرینٹ ہیں، آپ کے دشمن نہیں ہیں، اس کی رائے مختلف ہے، سوچ مختلف ہے نظریہ مختلف ہے، کوئی ضروری نہیں ہے کہ ہم نے دشمنی بنا کے آپس میں رہنا ہے۔

اللہ کے پیغمبر مدینہ میں آنے کے بعد یہودیوں کے ساتھ بھی رہتے رہے اور منافقین کے ساتھ بھی گزارہ کرتے رہے ہیں عقیدے کے اختلاف کے باوجود، ماحول میں ہم آہنگی اور امن پیدا کریں۔

8) حلیم الطبع افراد کی صحبت اختیار کریں

بعض دفعہ ہمارے دوست ایسے ہوتے ہیں کہ وہ انتقام لینے کو ہی اپنی بہادری سمجھتے ہیں جس وجہ سے ہم بھی اس ماحول میں ڈھل جاتے ہیں ایسے نیک صالح بزرگ لوگوں کے پاس بیٹھیں جن کا ٹیمپرامنٹ اچھا ہو، جلدی لوز نہ ہوتا ہو، برداشت کرتے ہوں تو اس سے بھی برداشت آتی ہے۔

9) اپنی غلطیوں پر ایک نظر ڈال لیں

ایک اور بہترین حل جو شروع میں بیان کیا تھا جب بھی آپ غصے میں آ جائیں تو آسمان کی طرف ایک نگاہ اٹھا کر دیکھا کریں کہ اس بندے سے ایک غلطی ہوئی ہے اور میں اس کے ساتھ یہ سلوک کرنا چاہتا ہوں، اے اللہ! میں نے تو ساری زندگی زمین پہ تیری نافرمانیاں کی ہیں اور تو مجھے کتنا برداشت کرتا ہے لہٰذا مجھے بھی دوسرے انسانوں کو برداشت کر لینا چاہیے۔ آپ کو اپنے عزیز کی غلطی بہت یاد ہے، ذرا اپنے بلنڈرز پر بھی ایک نظر، ہاں صرف ایک نظر ڈال لیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیا خوب فرمایا:

---

[1] فتاوىٰ ابن تیمیہ:364/20

يُبْصِر أحد كم القذاة عين أخيه

تم اپنے بھائی کی آنکھ میں تنکا دیکھ لیتے ہو،!!

ويَنْسى الجذع أو الجدل في عينه مُعْتَرِضًا

اور خود اپنی آنکھ کے شہتیر بھی نہیں دیکھتے ہو۔[1]

کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے

نہ تھی حال کی جب ہمیں اپنے خبر
رہے دیکھتے اوروں کے عیب و ہنر
پڑی اپنی برائیوں پر جو نظر
تو نگاہ میں کوئی برا نہ رہا

10) میڈیا کی مبالغہ آمیز کہانیوں اور مذاکرات سے دور رہیں

میں سمجھتا ہوں جدید الیکٹرانک میڈیا بھی عدم برداشت کے رویے کو فروغ دینے میں خطرناک کردار ادا کر رہا ہے۔ مسلکی اختلافات کو ہوا دینے، سیاسی تنازعات کو بڑھا چڑھا کر پیش کرنے میں یہ میڈیا محض اپنی ریٹنگ بڑھانے کے چکر میں ایک عجب منظر پیش کر رہا ہے۔ ہماری نوجوان نسل بالخصوص میڈیا پر علماء کی جنگ، سیاستدانوں کی بد اخلاق زبان، اور عدم برداشت پر مبنی رویوں کو دیکھ کر محظوظ ہوتی ہے۔ اس کے بھی نفسیاتی اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ بلا ضرورت ایسے مناظر دیکھنے سے احتیاط برتنی چاہیے۔

11) مصروفیات زندگی میں میانہ روی اور اعتدال لائیں

جب ہم اپنی زندگی کو بہت زیادہ مصروف کر لیتے ہیں۔ ہر وقت بوجھ تلے دبے رہتے ہیں تو اس سے بھی طبیعت میں چڑچڑا پن اور کمزوری واقع ہو جاتی ہے، جس بنا پر ہماری قوت برداشت

[1] صحیح ابن حبان، سلسلہ صحیحہ البانی: حدیث 33

ماند پڑتی ہے۔

نماز جیسی عظیم عبادت میں بھی آپ ﷺ نے حد اعتدال سے تجاوز پسند نہیں فرمایا، جب آپ ﷺ کے سامنے ایسی عورت کا تذکرہ کیا گیا جو رات سوتی نہیں تھی، شب بھر نماز میں رہتی تھی تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

عَلَيْكُمْ مَا تُطِيقُونَ مِنَ الْأَعْمَالِ

تم وہی اعمال اپنے اوپر لازم کرو، جن کی تمہیں طاقت ہو۔ [1]

12) معذرت اور شکریہ کی عادت اپنائیے

غلطی ہو جانا کوئی بڑی بات نہیں، لیکن اس غلطی کے بعد آپ کا رویہ کیا ہوتا ہے؟ یہ آپ کے ظرف، اخلاق اور تربیت کا آئینہ دار ہوگا۔ آپ کی گاڑی کا بمپر اگلی گاڑی سے ٹکرا گیا، غلطی آپ کی طرف سے ہوئی، اگلی گاڑی کا کچھ نقصان ہو گیا، اب آپ اگر گھور کر دیکھنے لگے، ظاہر ہے گاڑی والا طیش میں آئے گا، لڑائی ہوگی، آپ نے کٹ حجتی سے کام لیا، پھر بھی لڑائی ہو سکتی ہے، اس کے برعکس اگر آپ نے ہمت کر کے، آگے بڑھ کے اس سے کہہ دیا ''میں معافی چاہتا ہوں، آپ کو تکلیف ہوئی'' اس ایک جملے سے شاید یہ ٹکراؤ محبت اور اچھے تعلق کا باعث بن جائے۔ یہ کہنے کو معمولی لفظ، معذرت، معاف کیجیے گا، Sorry لیکن اس کے اثرات بہت گہرے مرتب ہوتے ہیں۔

دین اسلام میں توبہ کا تصور درحقیقت Sorry ہی کی ایک بہترین شکل ہے اور اعلیٰ ترین انداز ہے۔ حقوق العباد میں توبہ کے لیے تو اللہ تعالیٰ کے علاوہ بندوں سے بھی معاف کرانا ضروری ہوتا ہے۔ اس طرح Sorry کہنے سے آپ دنیا و آخرت میں سرخرو ہوں گے۔

اسی طرح شکریہ، جزاك الله خیراً، Thank you جیسے الفاظ سے معاشرے میں تحمل

---

[1] صحیح بخاری: 1103

اور رواداری کو فروغ دیتے ہیں۔

تاہم کوشش کرنی چاہیے، کہ ہم ایسی غلطیاں بار بار نہ دہرائیں جن سے ہمیں شرمندہ ہو کر بار بار معافی طلب کرنی پڑے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک آدمی کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا تھا: ''إِيَّاكَ وَمَا يُعْتَذَرُ مِنْهُ'' ایسی (باتوں اور کاموں سے) بچو جن سے بعد میں معذرت کرنی پڑے۔ [1]

13) رب تعالیٰ سے حسن اخلاق کی دعا کریں

سب سے آخری، لیکن ایک اہم ترین ذریعہ رب تعالیٰ سے حسن اخلاق کی دعا کرنا ہے۔

چند دعائیں پیش خدمت ہیں:

i۔ الٰہی مجھے حسن اخلاق کی ہدایت دے دیں

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو یہ دعا فرماتے:

وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِي فَطَرَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ حَنِيفًا وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ لَا شَرِيكَ لَهُ وَبِذَلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا مِنَ الْمُسْلِمِينَ اللَّهُمَّ أَنْتَ الْمَلِكُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ أَنْتَ رَبِّي وَأَنَا عَبْدُكَ ظَلَمْتُ نَفْسِي وَاعْتَرَفْتُ بِذَنْبِي فَاغْفِرْ لِي ذُنُوبِي جَمِيعًا إِنَّهُ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلَّا أَنْتَ وَاهْدِنِي لِأَحْسَنِ الْأَخْلَاقِ لَا يَهْدِي لِأَحْسَنِهَا إِلَّا أَنْتَ وَاصْرِفْ عَنِّي سَيِّئَهَا لَا يَصْرِفُ عَنِّي سَيِّئَهَا إِلَّا أَنْتَ [2]

میں اپنا رخ یکسو ہو کر اس ذات کی طرف کرتا ہوں جس نے آسمانوں اور زمین کو ٹھیک

---

[1] الاوسط، طبرانی: 4588، بحوالہ، سلسلہ صحیحہ، البانی، حدیث: 1914، 4/544

[2] صحیح مسلم: 771۔ (یہ ایک طویل دعا ہے، اس کا صرف ابتدائی متعلقہ حصہ درج کیا ہے)

ٹھیک پیدا فرمایا اور میں شریک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں، بے شک میری نماز اور میری قربانی اور میرا جینا اور میرا مرنا سب اللہ رب العالمین کے لئے ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور مجھے اسی کا حکم دیا گیا اور میں مسلمانوں میں سے ہوں، اے اللہ تو بادشاہ ہے، تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو ہی میرا رب ہے اور میں تیرا بندہ ہوں، میں نے اپنی جان پر ظلم کیا اور مجھے اپنے گناہوں کا اعتراف ہے پس تو میرے گناہوں کو بخش دے کیونکہ تیرے سوا کوئی گناہوں کو بخشنے والا نہیں ہے اور مجھے اچھے اخلاق کی ہدایت عطا فرما تیرے سوا کوئی اچھے اخلاق کی ہدایت نہیں دے سکتا اور برے اخلاق مجھ سے دور فرما تیرے سوا مجھ سے کوئی برے اخلاق دور کرنے والا نہیں ہے۔

ii۔ میرے رب میں تیری پناہ میں آتا ہوں

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے جہاں برائی کا بدلہ اچھائی سے دینے کا حکم فرمایا ہے، اس کے بعد یہ دعا بتائی ہے:

رَّبِّ اَعُوْذُبِكَ مِنْ هَمَزَاتِ الشَّيَاطِيْنِ ○ وَاَعُوْذُبِكَ رَبِّ اَنْ يَّحْضُرُوْنِ ○ [1]

اے میرے رب میں شیطانی خطرات سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔ اور میں تیری پناہ چاہتا ہوں اس سے کہ شیطان میرے پاس آئیں۔

iii۔ گھر سے نکلتے وقت یہ عظیم دعا پڑھیں

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں، جب بھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر سے باہر نکلے، آپ نے آسمان کی طرف نگاہ اٹھائی اور یہ دعا پڑھی۔

عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ: مَا خَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ بَيْتِي قَطُّ إِلَّا رَفَعَ طَرْفَهُ إِلَى السَّمَاءِ فَقَالَ: " اَللّٰهُمَّ أَعُوْذُبِكَ أَنْ أَضِلَّ أَوْ أُضَلَّ، أَوْ أَزِلَّ

[1] سورۃ المؤمنون: 97_98

أَوْ أُزَلَّ، أَوْ أَظْلِمَ أَوْ أُظْلَمَ، أَوْ أَجْهَلَ أَوْ يُجْهَلَ عَلَيَّ". [1]

الٰہی میں تیری حفاظت میں آتا ہوں اس بات سے کہ میں بھٹک جاؤں یا بھٹکایا جاؤں، پھسل جاؤں یا پھسلایا جاؤں، ظلم کروں یا ظلم کا شکار ہوں یا میں حماقت کروں یا کسی کی حماقت کا نشانہ بنوں۔

iv۔ الٰہی ہر حال میں کلمۂ حق کی توفیق دے

ایک بہت ہی خوبصورت، طویل اور جامع دعا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز کے دوران پڑھا کرتے، جس میں دل کھول کر رب کریم سے بہت کچھ مانگتے اور یہ بھی مانگتے، ساری دعا اس لائق ہے، کہ اسے حرز جان بنایا جائے اختصار کے پیش نظر اس کا ایک اہم ٹکڑا درج ذیل ہے:

اللّٰهُمَّ وَأَسْأَلُكَ خَشْيَتَكَ فِي الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ، وَأَسْأَلُكَ كَلِمَةَ الْحَقِّ فِي الرِّضَا وَالْغَضَبِ، وَأَسْأَلُكَ الْقَصْدَ فِي الْفَقْرِ وَالْغِنَى [2]

الٰہی میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ خلوت و جلوت میں تجھ سے ڈرتا رہوں، اور اس بات کا بھی سوال کرتا ہوں کہ خوشی اور غصے ہر حال میں کلمۂ حق کہوں، اور یہ بھی مانگتا ہوں کہ فقر اور دولت ہر دو حال میں اعتدال پر قائم رہوں۔

---

[1] صحیح، سنن ابی داؤد، کتاب الادب، 5094، ترمذی 3427

[2] صحیح، سنن نسائی: 1305

6۔ برداشت میں اعتدال

انسانی عادات دو قسم کی ہیں، اچھی اور بری، اخلاق حسنہ اور اخلاق سئیہ، ان کو اخلاق فاضلہ اور اخلاق رذیلہ بھی کہتے ہیں۔

ہمارے علماء نے ان کے حوالے سے ایک بڑی نکتے کی بات لکھی ہے۔ کہ اکثر اچھی عادات یعنی اخلاق فاضلہ، اعتدال اور توازن پر مبنی ہیں، جبکہ بری عادات افراط وتفریط سے پیدا ہوتی ہیں۔ علی سبیل المثال بے ہنگم، ضرورت، بلا ضرورت خرچ کرنا اِسراف ہے، فضول خرچی ہے، ضرورت کے موقع پر بھی خرچ نہ کرنا بخل اور کنجوسی ہے، جبکہ سخاوت اعتدال پر مبنی ہے۔ اس طرح بات بات پر لڑنا جھگڑنا، دوسرے کی پرواہ نہ کرنا جنگجو اور شر پسند انسان کی فطرت ہے، اپنے حق کے لیے بھی کھڑے نہ ہونا اور ہر موقع پر پسپائی اختیار کرنا بزدلی کی علامت ہے، جبکہ شجاعت ان دونوں کے درمیان توازن اور اعتدال پر مبنی ہے، یعنی حق بات کی خاطر بہادری کے جوہر دکھانا۔

بعینہ اسی طرح برداشت اور تحمل میں بھی اعتدال ضروری ہے۔ کسی بات کو سرے سے بالکل نہ سہارنا، غصیلا پن اور جنونیت کا اظہار ہے، غلط بات، ظلم وعدوان پر بھی سکوت طاری کر لینا یہ بعض اوقات ذلت اور پستی سے سمجھوتہ ہوتا ہے۔

اس لیے شریعت اسلامیہ میں تحمل اور برداشت کو بھی اعتدال پر رکھنے کے لیے کچھ ایسے مواقع بتائے گئے ہیں، جہاں برداشت اور تحمل کی آڑ میں انسان پست فطرت، بزدل اور ذلیل ہو جاتا ہے۔ اس لیے ان مواقع پر خاموشی کو شریعت اسلامیہ نے پسند نہیں فرمایا۔

ان میں سے چند اہم مقامات کی نشاندہی، ضروری محسوس ہوتی ہے تا کہ تحمل اور برداشت کی آڑ میں کوئی ہمیں ذلت وہزیمت کی راہ نہ دکھا سکے۔

1) حربی کفار سے تعامل اور جہاد وقتال

ایسے کفار جو مسلمانوں کی عزتیں لوٹ رہے ہوں، املاک پر قابض ہوں اور ہمارے دین کے خلاف اعلان جنگ کر چکے ہوں۔ ان کے خلاف ایک مسلم نوجوان کے جذبات جہاد وقتال اور شہادت سے مزین ہونے چاہئیں۔ [1] اگر کوئی شخص ان جذبات سے عاری ہے تو اسے صلح پسندی اور امن کا نام نہ دے، بلکہ یہ منافقت کی نشانی ہے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ مَاتَ وَلَمْ يَغْزُ وَلَمْ يُحَدِّثْ نَفْسَهُ بِالْغَزْوِ مَاتَ عَلَى شُعْبَةٍ مِنْ نِفَاقٍ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو اس حال میں مرا کہ نہ اس نے جہاد کیا اور نہ ہی اس کے دل میں جذبہ جہاد پیدا ہوا تو گویا وہ ایک طرح کے نفاق سے مرا۔ [2]

2) دین کے ساتھ استہزاء اور مذاق

ایسی محافل، گروپس، تنظیمیں، این جی اوز، سائٹس جہاں دین کا مذاق اڑایا جاتا ہو، آیات الٰہی کا استہزاء ہو، دین کے شعائر کا تمسخر ہو، انہیں برداشت کرنا، برداشت نہیں بلکہ کفر پر رضامندی کی نشانی ہے۔ اس لیے ایسے لوگوں کے ساتھ بیٹھنے سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے۔

وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتَابِ أَنْ إِذَا سَمِعْتُمْ آيَاتِ اللَّهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَأُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوا مَعَهُمْ حَتَّى يَخُوضُوا فِي حَدِيثٍ غَيْرِهِ إِنَّكُمْ إِذًا مِثْلُهُمْ إِنَّ اللَّهَ جَامِعُ الْمُنَافِقِينَ وَالْكَافِرِينَ فِي جَهَنَّمَ جَمِيعًا ○

اور اللہ نے تم پر قرآن میں حکم اتارا ہے کہ جب تم اللہ کی آیتوں پر انکار اور مذاق ہوتا ہوا

---

[1] کفار کی تین اقسام اور ان سے تعامل کے اصول اسی کتاب کے صفحہ: 47-50 میں مفصل گزر چکے ہیں۔

[2] صحیح مسلم: 1910، سنن ابوداؤد: 2502، سنن نسائی

سنو تو ان کے ساتھ نہ بیٹھو یہاں تک کہ کسی دوسری بات میں مشغول ہو جائیں، ورنہ تم بھی انہیں جیسے ہو جاؤ گے، اور اللہ منافقوں اور کافروں کو دوزخ میں ایک ہی جگہ اکٹھا کرنے والا ہے۔

3) دین میں مداہنت

دین مداہنت سے مراد ہے کہ کسی وجہ سے اپنے دینی اصول، مسلمات، اساسات اور ضابطوں میں تحریف کرنا، انہیں چھوڑنا یا ان پر کمپرومائز کرنا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَلَا تُطِعِ الْمُكَذِّبِيْنَ ○ وَدُّوْا لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُوْنَ ○

پس آپ جھٹلانے والوں کا کہنا نہ مانیں۔ وہ تو چاہتے ہیں کہ کہیں آپ نرمی کریں تو وہ بھی نرمی کریں۔ [1]

4) عادی ظالم

اگر کوئی ایسا انسان ہو جس کو آپ سمجھیں کہ برداشت کرنے سے اس کے ظلم میں اضافہ ہوگا اور یہ اور لوگوں پہ بھی ظلم کرے گا تو پھر اس کے ظلم کو روکنا چاہیے تاکہ آپ روکیں اور اس کو کسی اور پہ ظلم کرنے کی آئندہ ہمت نہ ہو۔

مُوَالَات، مُدَارَات، مواسات اور مُدَاهَنَت میں فرق:

اصل میں بعض لوگ ان میں فرق نہیں کرتے۔

شرعی لحاظ سے آپ کا دیگر انسانوں سے تعلق مختلف مراتب کا حامل ہوتا ہے:

1) مُوَالَات:

گہری دوستی، جگری تعلق اور دلی خیر خواہی۔ اسے ''مُوَالَات'' کہتے ہیں۔ اس کے حق دار

[1] سورۃ قلم: آیت 8-9

صرف اہل ایمان ہیں۔[1]

2)مُدَارَات:

کسی سے تعلق کی خاطر، اس کا دل رکھنے کے لیے، ظاہری رکھ رکھاؤ۔ یہ مدارات ہے۔ تمام کفار کے ساتھ انسانی بنیادوں پر یہ تعلق قائم کرنا جائز ہے۔

3)مواسات

انسانی بنیادوں پر حسن سلوک، ہمدردی، تعاون، بیمار پرسی وغیرہ یہ اہل ذمہ اور معاہدین کفار کے ساتھ جائز ہے۔

4)مُدَاهَنَت:

کسی مصلحت کے حصول اور مفاد کے پیش نظر اپنے دین، نظریہ اور اصول پر کمپرومائز کرنا، اصول ہی چھوڑ دینا۔ یہ مداہنت ہے۔

ہمارے معاشرے میں یہ ایک دوسری انتہا ہے کہ کچھ لوگ تحمل، رواداری اور برداشت کے نام پر غیر مسلم کافرانہ تہواروں میں شرکت کرتے ہیں، بدعات میں حصہ لیتے ہیں، شادی، بیاہ کی خرافات پر چپ سادھ لیتے ہیں اور بے حیائی پر مبنی پروگرامز میں اپنے ہونٹ سے لیتے ہیں، اور خاموش تماشائی بنے بیٹھے رہتے ہیں، اور سب کچھ اپنے زعم کے مطابق برداشت کرتے ہیں۔ یہ برداشت نہیں بلکہ بے حمیتی، مداہنت اور اپنے اصولوں سے انحراف ہے۔ اس سے اجتناب کریں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ مجھے اور آپ کو برداشت کی خوبی اور عظمت نصیب فرمائے۔

آمین

وآخر دعونا أن الحمد لله ربّ العالمين. وصلى الله وسلم وبارك على النبي الأمين وعلى آله وصحبه ومن تبعهم بإحسان إلى يوم الدين.

---

[1] سورۃ توبہ:23

فہرست مصادر ومراجع

★ قرآن مجید

إحياء علوم الدين، غزالی، أبو حامد محمد بن محمد الغزالي الطوسي (المتوفى: 505ھ)الناشر: دار المعرفة-بيروت

الخلق الحسن في ضوء الكتاب والسنة، سعيد بن علی بن وهف القحطانی، الناشر: مطبعة سفير، الرياض۔

إرواء الغليل في تخريج أحاديث منار السبيل، محمد ناصر الدين الألباني (المتوفى: ١٤٢٠ھ) إشراف: زهير الشاويش الناشر: المكتب الإسلامي - بيروت الطبعة: الثانية ١٤٠٥ھ - ١٩٨٥م

الاستذكار أبو عمر يوسف بن عبد الله بن محمد بن عبد البر بن عاصم النمري القرطبي (المتوفى: 463ھ)، تحقيق: سالم محمد عطا، محمد علي معوض، الناشر: دار الكتب العلمية- بيروت، الطبعة: الأولى، 1421-2000)

الإشراف على مذاهب العلماء، لابن المنذر أبو بكر محمد بن إبراهيم بن المنذر النيسابوري (المتوفى: ٣١٩ھ) المحقق: صغير أحمد الأنصاري أبو حماد ، الناشر: مكتبة مكة الثقافية، رأس الخيمة- الإمارات العربية المتحدة الطبعة: الأولى، ١٤٢٥ھ - ٢٠٠٤م۔

الإصابة في تمييز الصحابة ، لابن حجر، أبو الفضل أحمد بن علي العسقلاني (المتوفى: ٨٥٢ھ) تحقيق: عادل أحمد عبد الموجود وعلى محمد معوض الناشر: دار الكتب العلمية- بيروت الطبعة: الأولى - ١٤١٥ھ

إعلام الموقعين، لابن قيم الجوزية محمد بن أبي بكر بن أيوب بن سعد شمس الدين، (المتوفى: 751ھ)تحقيق: محمد عبد السلام إبراهيم، الناشر: دار الكتب العلمية - بيروت ،الطبعة: الأولى، 1411ھ- 1991م۔

الإقناع لابن المنذر ، أبو بكر محمد ين إبراهيم بن المنذر النيسابوري (المتوفى: 319ھ)، تحقيق: الدكتور عبد الله بن عبد العزيز الجبرين، الناشر: (بدون)، الطبعة: الأولى، 1408ھ)

البداية والنهاية ، أبو الفداء إسماعيل بن عمر بن كثير القرشي البصري ثم الدمشقي

(المتوفى:774هـ)، الناشر: دار إحياء التراث العربي، الطبعة: الأولى 1408، هـ-1988م)

تاريخ دمشق، لابن عساكر أبو القاسم علي بن الحسن بن هبة الله المعروف بابن عساكر (المتوفى: 571هـ)، الناشر: دار الفكر للطباعة والنشر والتوزيع، عام النشر: 1415هـ-1995م۔

التعريفات للجرجاني، علي بن محمد بن علي الزين الشريف الجرجاني (المتوفى: 816هـ)، الناشر: دار الكتب العلمية بيروت-لبنان الطبعة: الأولى 1403هـ-1983م)۔

جامع بيان العلم وفضله، لابن عبد البر، أبو عمر يوسف بن عبد الله النمري القرطبي (المتوفى: 463هـ)، تحقيق: أبي الأشبال الزهيري، الناشر: دار ابن الجوزي، المملكة العربية السعودية، الطبعة: الأولى، (1414هـ-1994م)۔

حلية الأولياء، أبو نعيم الأصبهاني، أحمد بن عبد الله، (المتوفى: 430هـ)، الناشر: دار الكتب العلمية، بيروت، (طبعة 1409هـ بدون تحقيق)

سلسلة الأحاديث الصحيحة وشيء من فقهها وفوائدها، الألباني، أبو عبد الرحمن محمد ناصر الدين، بن الحاج نوح بن نجاتي بن آدم، (المتوفى: ١٤٢٠هـ) الناشر: مكتبة المعارف للنشر والتوزيع، الرياض الطبعة: الأولى۔

سلسلة الأحاديث الضعيفة والموضوعة وأثرها السيئ في الأمة، الألباني، (المتوفى: ١٤٢٠هـ)، دار المعارف، الرياض - المملكة العربية السعودية الطبعة: الأولى، ١٤١٢هـ/١٩٩٢م۔

سنن ابي داود، أبو داود سليمان بن الأشعث الأزدي السِّجِسْتاني (المتوفى: 275هـ) المحقق: محمد محيي الدين عبد الحميد الناشر: المكتبة العصرية، صيدا-بيروت۔

سنن الترمذي، محمد بن عيسى بن سَوْرة بن موسى بن الضحاك، الترمذي، أبو عيسى (المتوفى: 279هـ) تحقيق وتعليق: أحمد محمد شاكر (جـ 1، 2) وآخرين، شركة مكتبة ومطبعة مصطفى البابي الحلبي - مصر الطبعة: الثانية، 1395هـ-1975م)

سنن النسائي، أبو عبد الرحمن أحمد بن شعيب بن علي الخراساني، النسائي (المتوفى: 303هـ) تحقيق: عبد الفتاح أبو غدة الناشر: مكتب المطبوعات الإسلامية - حلب الطبعة: الثانية، 1406-

سنن ابن ماجه، أبو عبد الله محمد بن يزيد القزويني، (المتوفى: 273هـ) تحقيق: محمد

فؤاد عبد الباقي الناشر: دار إحياء الكتب العربية۔

سنن دارمی، أبو محمد عبد الله بن عبد الرحمن الدارمي، التميمي السمرقندي (المتوفى: 255ھ)، تحقيق: حسين سليم أسد الداراني ، دار المغني للنشر والتوزيع، المملكة العربية السعودية، الطبعة: الأولى، (1412ھ-2000م)

سير أعلام النبلاء، للذهبي، شمس الدين أبو عبد الله محمد بن أحمد بن عثمان بن قايماز الذهبي (المتوفى:748ھ)، الناشر: دار الحديث- القاهرة، الطبعة: 1427ھ-2006م

شعب الإيمان للبيهقي ،أحمد بن الحسين بن علي بن موسى الخراساني، أبو بكر البيهقي (المتوفى: 458ھ)، تحقيق: الدكتور عبد العلي عبد الحميد حامد، مكتبة الرشد للنشر والتوزيع بالرياض بالتعاون مع الدار السلفية ببومباي بالهند، الطبعة: الأولى، 1423 ھ - 2003م)

صحيح البخاري، محمد بن إسماعيل أبو عبدالله البخاري الجعفي الناشر، دار طوق النجاة، ترقيم محمد فؤاد عبد الباقي، الطبعة: الأولى، 1422ھ

صحيح الجامع، الصغير، الألباني، أبو عبد الرحمن محمد ناصر الدين، (المتوفى: 1420ھ)

الناشر: المكتب الإسلامي۔

صحيح مسلم ،مسلم بن الحجاج أبو الحسن القشيري النيسابوري (المتوفى: 261ھ) المحقق: محمد فؤاد عبد الباقي الناشر: دار إحياء التراث العربي- بيروت۔

الطبقات الكبرى، لابن سعد، أبو عبد الله محمد بن سعد بن منيع (المتوفى: 230ھ)، المحقق: زياد محمد منصور الناشر: مكتبة العلوم والحكم - المدينة المنورة، الطبعة: الثانية، 1408ھ)

فتح الباري شرح صحيح البخاري، ابن حجر العسقلاني، أحمد بن علي بن حجر أبو الفضل الناشر: دار المعرفة- بيروت، ١٣٧٩

الفتاوى الكبرى، لابن تيميه، المكتبة الشاملة، (الناشر الطبعة، بدون)۔

الفروق اللغوية، ابو هلال العكسرى (المكتبة الشاملة، الناشر والطبعة، بدون)۔

فتاوى ابن تيمية، تقي الدين أبو العباس أحمد بن عبد الحليم الحراني الدمشقي (المتوفى: 728ھ)، الناشر: دار الكتب العلمية، الطبعة: الأولى، 1408ھ-1987م۔

كتاب الزهد والرقائق، ابن المبارك أبو عبد الرحمن عبد الله بن المبارك بن واضح الحنظلي، التركي ثم المروزي (المتوفى:181هـ) المحقق:حبيب الرحمن الأعظمي الناشر: دار الكتب العلمية - بيروت۔

كشاف اصطلاحات الفنون والعلوم، التهانوى، (المكتبة الشاملة، بدون الناشر والطبعة)۔

المستدرك على الصحيحين، أبو عبد الله الحاكم، محمد بن عبد الله بن محمد بن حمدويه النيسابوري (المتوفى: ٤٠٥هـ) تحقيق: مصطفى عبد القادر عطا، دار الكتب العلمية - بيروت الطبعة: الأولى، ١٤١١-١٩٩٠عدد الأجزاء:٤

مسند احمد،أبو عبد الله أحمد بن محمد بن حنبل بن هلال بن أسد الشيباني (المتوفى: 241هـ) المحقق: شعيب الأرنؤوط - عادل مرشد، وآخرون، بيروت:مؤسسة الرسالة الطبعة: الأولى، 1421هـ/2001م۔

مسند البزارأبو بكر أحمد بن عمرو بن عبد الخالق بن خلاد بن عبيد الله العتكي المعروف بالبزار (المتوفى: 292هـ) المحقق:محفوظ الرحمن زين الله، وآخرين مكتبة العلوم والحكم - المدينة المنورة الطبعة: الأولى،

مشارق الأنوار القاضي عياض، ابو الفضل (الناشر والطبعة بدون)، المكتبة الشاملة

مصنف عبدالرزاق ،أبو بكر عبد الرزاق بن همام اليماني الصنعاني (المتوفى: 211هـ)، المحقق: حبيب الرحمن الأعظمي، الناشر: المكتب الإسلامي - بيروت، الطبعة: الثانية، 1403هـ

مصنف ابن ابی شیبه:أبو بكر بن أبي شيبة، (المتوفى:235هـ)، المحقق: كمال يوسف الحوت، الناشر: مكتبة الرشد- الرياض، الطبعة: الأولى، 1409هـ

المعجم الكبير للطبرانى، سليمان بن أحمد، ابو القاسم (المتوفى 360ه) ، المتكبة الشاملة، بدون الناشر والطبعة۔

المعجم الأوسط، للطبرانى، (المكتبة الشاملة)، بدون الناشر والطبعة۔

المغنى ، لابن قدامة، أبو محمد موفق الدين عبد الله بن أحمد بن محمد بن قدامة المقدسي ثم الدمشقي الحنبلي، الشهير بابن قدامة المقدسي (المتوفى: 620هـ)، الناشر: مكتبة القاهرة، الطبعة: بدون

المفردات، للراغب، أبو القاسم الحسين بن محمد المعروف بالراغب الأصفهانى (المتوفى: 502هـ)المحقق: صفوان عدنان الداودي الناشر: دار القلم، الدار الشامية - دمشق بيروت الطبعة: الأولى - 1412هـ

موطاامام مالک:مالك بن أنس بن مالك بن عامر الأصبحي المدني (المتوفى: 179هـ)، تحقيق، محمد فؤاد عبد الباقي، الناشر: دار إحياء التراث العربي، بيروت - لبنان، عام النشر: 1406هـ-1985م۔

النهاية في غريب الحديث والأثر ابن الأثير الجزرى، (المكتبة الشاملة، الناشر والطبعة، بدون)۔

مؤلف کتاب

نام: عبیدالرحمن محسن

ولدیت: شیخ الحدیث مولانا محمد یوسف رحمہ اللہ (متوفی 2014)

تعلیم: تکمیل درس نظامی دارالحدیث راجووال، 1993

تکمیل درس نظامی جامعہ سلفیہ فیصل آباد، 1995

تخصص مرکز التربیۃ، فیصل آباد (ایک سال)، 1996

ایم۔اے عربی انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی اسلام آباد، 1997۔2000

پی ایچ ڈی (پنجاب یونیورسٹی)، 2011

تدریسی تجربہ

تدریس تفسیر، حدیث، فقہ الحدیث، دارالحدیث الجامعۃ الکمالیۃ راجووال 2005 تا حال

تدریس عربی و اسلامیات، گورنمنٹ پوسٹ گریجوایٹ کالج حجرہ شاہ مقیم، 2005 تا حال

تالیفات

1۔ برصغیر میں اصول تفسیر کے مناہج و اثرات
2۔ تفسیر قرآن کے اصول و قواعد
3۔ حسن خاتمہ
4۔ نماز عصر اور وقت عصر کی خصوصیات
5۔ نماز فجر اور وقت فجر کی خصوصیات
6۔ آمد رسول پر خوشی مگر کیسے؟
7۔ سنت کے مطابق آسان حج و عمرہ
8۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بحیثیت مثالی شوہر (زیر ترتیب)
9۔ غصہ ختم کیجئے ورنہ!! (زیر ترتیب)
10۔ برداشت کرنا سیکھیں۔

تعارف

دار الحدیث الجامعۃ الکمالیۃ راجووال

تاسیس

قیام پاکستان کے صرف دو سال بعد 1949ء میں بقیۃ السلف شیخ الحدیث مولانا محمد یوسف رحمہ اللہ (متوفی 14 جنوری 2014ء) نے جھونپڑیوں کے سائے میں یہ ننھا سا پودا لگایا۔ عظیم ماہر تعلیم مولانا عبداللہ سلیم رحمہ اللہ نے خون جگر سے اس کی آبیاری کی۔ محض اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے آج یہ تناور شجر سایہ دار ہے۔ بلکہ توحید وسنت، تعلیم وتربیت، دعوت وتبلیغ اور تحقیق و تصنیف کا عظیم الشان مرکز اور سدا بہار باغ ہے۔ اس کی روحانی وایمانی، دعوتی وتعلیمی معطر ہوائیں ہر سو پھیل رہی ہیں۔

کل شعبہ جات وعملہ:

10، (درس نظامی، حفظ القرآن، عصری تعلیم پر خصوصی توجہ)

مدرسین:32

طلبہ وطالبات:400

مدرسات:05

خادم وخاکروب:02

باورچی:03

ذیلی شاخیں

* دار القرآن کوڑے سیال (ضلع قصور)
* ریاض الحدیث للطالبات، راجووال (ضلع اوکاڑہ)

* الفیصل اسلامک سنٹر، ججھ کلاں (ضلع اوکاڑہ)
* مسجد توحید اہل حدیث، راجووال (ضلع اوکاڑہ)
* مسجد اللہ اکبر، پتوکی (ضلع قصور)
* مسجد عثمان بن عفان، راجووال (ضلع اوکاڑہ)

آمدن واخراجات

ادارہ کے بے پناہ اخراجات صرف توکلاً علی اللہ اور اس کے بعد مخلص احباب کی دعاؤں اور تعاون سے پورے ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اسے قیامت تک آباد رکھے۔ آمین۔

برائے رابطہ

پروفیسر ڈاکٹر عبیدالرحمن محسن بن شیخ الحدیث مولانا محمد یوسف رحمہ اللہ مہتمم دارالحدیث الجامعۃ الکمالیۃ راجووال، ضلع اوکاڑہ۔

Only for sms : 0300-6972721 , 044-4870005

Whatsapp only for sms: 0322-6972721

اللجنة العلمية کی دیگر اہم کتب

